Scanned by CamScanner

۷۸۶

۹۲

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ

سنہ ۱۴۰۲ھ

لاجواب تقریروں کا مجموعہ

مقالاتِ نعیمی

اوّل

تالیف

مولانا حافظ قاری محمد ریاست علی رضوی نعیمی علیہ الرحمۃ سابق مدرس دارالعلوم جامعہ نعیمیہ مرادآباد

مولانا مولوی محمد زاہد علی سلامی نعیمی، دارالعلوم جامعہ نعیمیہ مرادآباد

ناشر

المجمع المصباحی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

اعظم گڈھ ۲۷۶۴۰۴

نام کتاب ——— مقالات نعیمی اول

تالیف ——— ریاست علی رضوی نعیمی، زاہد علی سلامی نعیمی

کتابت ——— زرق الماسی قادری رامپور

اشاعت بار اول ——— صفر المظفر ۱۴۰۵ھ نومبر ۱۹۸۴ء

بار دوم ——— رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ جنوری ۱۹۹۶ء

ناشر ——— المجمع المصباحی جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

قیمت ——— پندرہ ۱۵ روپے

ملنے کے پتے

[۱] سلامی اکیڈمی منگل پورہ سرائے ترین سنبھل ضلع مرادآباد یوپی پن ۲۴۴۳۰۳۔
[۲] المجمع الاسلامی محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی [۳] رضوی کتاب گھر ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶ [۴] فاروقیہ بکڈپو ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶ [۵] مکتبہ جام نور ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶ [۶] آستانہ بک ڈپو ۱۵۶۵ سوئیوالان نئی دہلی ۲ [۷] فیاض الحسن بک سیلر ۲۲/۲۴۴ نئی سڑک کانپور یوپی [۸] نعمت بکڈپو شالیمار کمپلکس صاحب گنج چھپرہ (بہار)
[۹] سہراب بکڈپو اسٹیشن مسجد پٹنہ ۱ (بہار) [۱۰] مکتبہ نعیمیہ دیپا سرائے سنبھل (یوپی)
[۱۱] نیو سلور بک ایجنسی ۱۴ محمد علی بلڈنگ بھنڈی بازار بمبئی ۳ [۱۲] اعظمی بک ڈپو مدھوبن روڈ گھوسی ضلع مئو [۱۳] اعجاز بکڈپو ناخدا مسجد گیٹ ۲ زکریا اسٹریٹ کلکتہ ۷۳

شرفِ انتساب

میں اپنی اس جگر کاوی کو ان تمام حضرات اکابرینِ ملت، مجتہدینِ امت، علمار اہلسنت کے نام جن کے قلمدان کی مقدس روشنائی شہدار کے مبارک لہو کا درجہ رکھتی ہے۔ بالخصوص اپنے جدِ محترم بقیۃ السلف حجۃ الخلف استاذ العلمار حضرت علامہ مولانا مفتی الحاج الشاہ محمد عبد السلام صاحب قادری قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ (خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند بانی وسرپرست اعلیٰ مدرسہ اہلسنت فیض العلوم سرائے ترین سنبھل، نائب ناظم اعلیٰ مرکزی مدرسہ اہلسنت اجمل العلوم سنبھل) جن کے روحانی فیوض وبرکات، انوار وتجلیات نے میرے نہاں خانۂ دل کو روشن وتابناک بنا دیا۔ اور اپنے والدین کریمین اور اپنے ان کرم فرما بھائیوں کی جانب منسوب کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں جن کے بے شمار احسانات اور لامحدود شفقتوں نے مجھے خانگی ذمہ داریوں کے بارِ گراں سے سبکدوش فرما کر حصولِ علم دین کا زرّیں موقع عنایت فرمایا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

(نیازمند) سگِ بارگاہ رضا ونعیم

العبد **زاہد علی** سلامی رضوی غفرلہ القوی

دار العلوم جامعہ نعیمیہ مراد آباد

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

۷۸۶

پیش لفظ

آبروئے علم وفن شہنشاہِ خطابت مفکرِ اسلام حضرت علاّمہ مولٰنا
محمد ہاشم صاحب نعیمی، پروفیسر معقولات ومنقولات جامعہ نعیمیہ، مرادآباد

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند وجولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ وبالا

محترم حضرات! پیش نظر کتاب کے ٹائیٹل پیج پر جلی قلم سے لکھے ہوئے نام "مقالاتِ نعیمی" سے پورے طور پر یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب ان علمارِ کرام کے فکری اور علمی رشحاتِ قلم کا بیش بہا مجموعہ ہے جو ہند وپاک کی مرکزی دینی درس گاہ دارالعلوم جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے منسلک ہیں۔ وہ جامعہ نعیمیہ جو ملّتِ اسلامیہ کی آرزوؤں کا نشیمن ہے بے شمار علمار ومشائخ کی عقیدتوں کا مرکز ہے، باوقار قائدین کی امنگوں کی جولان گاہ ہے۔ یہ وہ سدا بہار گلشن ہے جس کو ایشیا کی ایک ایسی عظیم المرتبت شخصیت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے لگایا اور سینچا ہے جس کے ہمہ گیر تبحر علمی پر اتفاق کرنے کے لئے عرب وعجم کی دستیں سمٹ کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی ہیں۔ جو اپنی بے پناہ قوتِ ارادی، بے پایاں صلاحیت کارکردگی اور غیر منتہی مستحکم عزائم کے لئے ساری دنیا میں مشہور ومعروف ہے۔ کشورِ علم کا وہ تاج دار جس کے دب دبے وتمکنت کے سامنے بڑی سے بڑی علم وفن کی انجمنیں بھی دست بستہ کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ نجدیت دوہابیت کی مطلق العنان سرگرمیاں جس کی صداقت وحقانیت کے سامنے سرنگوں ہو کر رہ گئی ہیں۔ یعنی حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل علامہ الحاج حافظ قاری حکیم محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ❊ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آج خاکِ جامعہ کے ایک ایک ذرّے میں خدمتِ دین کی وہی سچی تڑپ موجود نظر آتی ہے جو اسے حضرت صدر الافاضل سے ورثے میں ملی تھی جس کا ایک دل نشیں منظر "مقالاتِ نعیمی" کی شکل میں آپ کے پیشِ نظر ہے۔ مضامین کے عنوانات کا انتخاب وقت کی پکار اور دورِ حاضر کا اہم تقاضا ہے۔ آج اولیاء کرام کے بافیض آستانوں سے اُمت کو دور رکھنے کی جو مذموم کوشش جاری ہے اس کے سدِ باب کے لئے ضرورت ہے کہ کسی صاحبِ یقین، داعی الی اللہ، مردِ حق آگاہ، فیوض و برکات کی منبع و مخزن شخصیت کے حالاتِ زندگی کو مشعلِ راہ کے طور پر پیش کیا جائے۔ چناں چہ اس کے لئے عالمِ اسلام کی تمناؤں کا مرکزی نشان تاجدارِ اہلسنّت آقائے نعمت حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پاکیزہ اور مقدس ذات بابرکات کا انتخاب نہایت موزوں ہے

اسی طرح آج کے مفاد پرستی کے دور میں جب کہ اسلامی ایثار و قربانی کا جذبہ تقریباً مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ دلوں میں عقیدت و محبت کے چراغوں کی لَو مدھم پڑتی جا رہی ہے۔ شہیدانِ عشق و وفا کی عظمتوں کے خلاف دھن دے کر اپنی آواز کو فسق و فجور اور ظلم و جبر کی آواز سے ہم آہنگ کرنے کی ناپاک سازش رچائی جا رہی ہے۔ ان تمام فتنوں کے مقابل ملّتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لئے اسلام اور قربانی، محبت، اور فلسفۂ محبت، شہادتِ عظمیٰ اور ظہورِ قدسی جیسے مفید موضوعات وقت کی اہم ضرورت ہیں۔ اس سلسلے میں عزیز محترم مولانا ریاست علی رضوی و مولانا زاہد علی سلامی سلمہما نے جو مستحسن اقدام کیا ہے میری دعا ہے کہ مولیٰ تبارک و تعالیٰ ان کی اس سعیٔ جمیل کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ عزائم میں استقلال اور حوصلوں میں بلندی عنایت کرے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

العبد

محمد ہاشم غفرلہٗ، خادم جامعہ نعیمیہ، مراد آباد

مولانا ریاست علی مرحوم

آبروئے علم و فن شہنشاہِ خطابت مفکرِ اسلام حضرت علامہ مولانا محمد ہاشم صاحب نعیمی پرفیسر معقولات جامعہ نعیمیہ مرادآباد

ابھی بنا بھی نہ ڈالی تھی آشیانے کی
فلک کو فکر ہوئی بجلیاں گرانے کی

گردشِ لیل و نہار کے زیرِ اثر پیدا ہو کر ختم ہو جانے والے حوادث اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس عالمِ رنگ و بو میں ہر شئے فانی ہے اگر کسی کو بقا ہے تو وہ ایک واجب الوجود کی ذات ہے جس کے دستِ قدرت سے کائنات کی بوقلمیاں وابستہ ہیں۔ کل شئی ھالک الا وجھہٗ۔ حضراتِ صوفیائے کرام کا وہ مقولہ جو لفظی اور معنوی اعتبار سے ایک معمہ بھی ہے "باقی باقی باقی فانی" اسی حقیقت کا مظہر ہے۔ یوں تو اسی ضابطے کے تحت ہر آنے والا جانے کے لئے ہی آتا ہے لیکن انتہائی روح فرسا ہوتا ہے کشاکشِ حیات کا وہ عالم جب کوئی آنے والا اس طرح آیا ہو کہ اس کی علمی اور عملی زندگی ملتِ اسلامیہ کی تمناؤں کا مرکز اور امت مرحومہ کی آرزوؤں کا محور بن چکی ہو اور خود اس نے بھی یقینِ محکم کے ساتھ عمل پیہم کی راہ میں اس عزم کامل کو لے کر قدم رکھ دیا ہو کہ اس کے قدموں کی ایک ایک جنبش سے خدمتِ دین کے نئے شوق اور نئے ولولوں نے جنم لینا شروع کر دیا ہو اور عین اس وقت جب کہ اس کا کاروانِ حیات عہدِ طفلی سے گزر کر عہدِ شباب کی منزل میں پہنچ چکا ہو موت کا ہیبت ناک سایہ اس کے سر پر منڈلانے لگے اور زندگی کا وہ چمن جس کے پھولوں کی مہک سے ایک عالم کے مشامِ روح و ایمان کو معطر ہونا تھا۔ مہکنے اور مہکانے سے پہلے ہی اچانک خزاں کی زد میں آجائے اور مذہبی تابندگی کا وہ آفتاب جو باطل کے ایوانوں کو حق و صداقت کی روشنی عطا کرنے والا تھا اپنی کرنوں کو لے کر اچانک روپوش

ہو جائے تو حسرت و یاس کے عالم میں بجائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے ؎

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

فاضل جلیل مولانا ریاست علی مرحوم و مغفور فاضل جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی اچانک رحلت سے یہی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ پیشِ نظر کتاب مقالاتِ نعیمی اولؒ کی ترتیب و تدوین مولانا مرحوم اور ان کے مخلص دوست عزیزی مولانا زاہد علی سلامی سنبھلی سلمہٗ کی کاوش پیہم کا نتیجہ ہے ان دونوں حضرات کی مخلصانہ کوششوں کو رب العزت نے وہ مقبولیت عامہ عطا فرمائی کہ کتاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا ملک کے گوشے گوشے سے اس کی مانگ بڑھتی چلی گئی لیکن افسوس کہ ابھی دوسرا ایڈیشن چھپنے نہ پایا تھا کہ مرحوم صرف ۱۸ گھنٹے کی قلیل مدت میں معمولی بخار کے سبب مورخہ ۲۵ رذی الحجہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۱ رستمبر ۱۹۸۵ء شب پنجشنبہ میں ٹھیک ۸ بج کر ۲۵ منٹ پر ہمارے درمیان سے رخصت ہو کر واصل بحق ہو گئے بے شمار ارمانوں کا جنازہ تھا جو موصوف کی میت کے ساتھ شہر خموشاں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ان گنت امیدیں تھیں جو مرحوم کے ساتھ ساتھ سپردِ خاک ہو گئیں۔ طلبہ کی مشق تقریر کی انجمن رضائے حبیب کی رونق ختم ہو گئی۔ جامعہ نعیمیہ سے نکلنے والے سہ ماہی رسالے النعیم کا خواب ادھورا رہ گیا۔ خاندانِ مغلیہ کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر نے کرب و سوز کے نہ جانے کس عالم میں کہا ہو گا ؎

مرا رنگ و روپ بگڑ گیا مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا

جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

مگر آج عزیز گرامی مولانا زاہد علی سلامی سنبھلی کی ذات پر یہ شعر حرف بحرف صادق آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے موصوف کو اپنے مخلص دوست کی روح فرسا جدائی اور اشاعتِ سنیت کی جدوجہد میں اپنی تنہائی کا احساس تو ضرور دامن گیر ہو گا لیکن مجھے یہ جان کر بیکراں مسرت حاصل ہوئی ہے کہ نہ صرف یہ کہ موصوف کی سعی جمیل سے مقالاتِ نعیمی اول کا دوسرا ایڈیشن مع جدید اضافے کے ہمارے سامنے ہے بلکہ آپ نے ان تمام منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کر لیا ہے جن کو ان کے رفیق کار نامکمل چھوڑ گئے ہیں میری دعا ہے کہ خداوند عالم ان کے حوصلوں کو بلندی عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں خصوصی جگہ عنایت فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم دعا گو العبد محمد ہاشم غفرلہٗ

سیرتِ مفتئ اعظمِ ہند رحمۃ اللہ علیہ

حضور یادگارِ صدر الشریعہ جنیدِ عصر، غزالئ دوراں، رازئ زماں، بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف علامۃ الزمان، فرید الاوان، منبع العرفان، زبدۃ المحققین، عمدۃ الواصلین، سید المحدثین سند المفسرین، حافظ آیات رب العالمین حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد مبین الدین صاحب قبلہ رضوی محدث امروہوی شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ مراد آباد، یوپی

پس پردہ تجھے ہر بزم میں شامل سمجھتے ہیں
کوئی محفل ہو ہم اس کو تری محفل سمجھتے ہیں

اہل اللہ کی سوانح حیات اور ان کی سیرت طیبہ کے درخشندہ تابندہ پہلو آنے والی قوم کے لئے ہدایت و مشعلِ راہ بن کر ان میں نہ صرف حوصلہ مندانہ ہمت وجرارت کے بھڑکتے ہوئے جذبات پیدا کرتے ہیں بلکہ ان کی بے راہ روی کے لئے عبرت و نصیحت کی برہنہ شمشیر بنتے ہیں اور ان کی بحرِ عصیاں میں غوطہ زن کشتی کے لئے ذریعۂ نجات بھی بن جاتے ہیں صرف اور صرف اسی مقصد کے پیشِ نظر ان چند سطروں میں سیدی و مرشدی آقائے نعمت تاجدارِ اہلسنت شہزادۂ اعلیحضرت حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی سیرت مقدسہ کے روشن ترین کچھ دیکھے اور کچھ سنے ہوئے گوشوں کو اپنے احباب و مخلصین کے سامنے پیش کر کے اپنے آپ کو حضور مفتئ اعظم کے روحانی فیض کے ذرّوں سے مشرف و منور بنانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

خدا کرے میری نوکِ قلم سے صفحات قرطاس پر ابھرنے والے نقوش بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہو کر آنے والی نسلوں کے لئے نصیحت و عبرت کا

سامان بن کر ذریعۂ نجات بن جائیں۔

اس سے پہلے کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے حالات و واقعات پر کچھ لکھوں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شہر کو آپ نے اپنی نورانیت سے عزت بخشی اہلِ عقیدت اس شہر کو کس عقیدت و محبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

آئیے! سب سے پہلے ہم اپنے اس شہر کو سمجھیں جس شہر میں ہمارا محبوب، ہمارے دلوں کی دھڑکن ہماری آنکھوں کا نور، ہماری تمناؤں کا مرکز، ہماری جانوں کا چین، ہماری آرزوؤں کا قبلہ، ہمارے ارمانوں کا کعبہ جس شہر میں جلوہ فرما ہے وہ کونسا شہر ہے۔ ہاں ہاں وہ شہر بریلی ہے۔

کون بریلی؟ وہ بریلی جہاں سے عشقِ مصطفےٰ کی لَو پھوٹ رہی ہے۔ وہ بریلی جہاں سے صدیقِ اکبر کی صداقت کی کرنیں چمک رہی ہیں۔ وہ بریلی جہاں سے فاروقِ اعظم کی چمکتی ہوئی تلوار غدارانِ رسول کے لئے ہر وقت میان سے باہر ہے۔ وہ بریلی جہاں سے رات دن عثمان ذوالنورین کی حلم و بردباری کے خطبے گائے جا رہے ہیں۔ وہ بریلی جہاں سے صبح و شام حضرت علی کی شجاعت کے پرچم بلند کئے جا رہے ہیں۔ وہ بریلی جہاں سے عباس علم بردار کے کٹے ہوئے بازوؤں کو ایصالِ ثواب کیا جا رہا ہے۔ وہ بریلی جہاں سے ضربِ یدُاللّٰہی اور سجدۂ شبیری کی اداؤں کو اپنانے کے ترانے گائے جا رہے ہیں۔ وہ بریلی جہاں سے سنتِ عشقِ بلالی پر قائم رہنے کا درس دیا جا رہا ہے وہ بریلی جہاں سے قوم و ملت کے رہنما پیدا کئے جا رہے ہیں۔ وہ بریلی جو انگشتری قادریت کا نگینہ ہے۔ وہ بریلی جس کی روشنی سے قلب انسانیت کو ایسی تابناکی ملی کہ ہر دل محبتِ رسول کا مدینہ بن گیا۔

بریلی کے ذرّے ذرّے نے فلکِ آفتابِ رسالت و شمسِ چرخِ ولایت کی ضیاء پاش کرنوں سے خود کو اس طرح چمکا لیا کہ اس کا ہر ہر ذرہ علم و فن، حق و صداقت لطف و عنایت، عظمت و رفعت، کشف و کرامت، رشد و ہدایت کا مینارۂ نور بن کر بھٹکے ہوئے نہاں خانۂ دل کی رہنمائی کرتا ہے۔ بریلی فیضِ رضا کا وطن کانِ کرم

بحرِ عطا گنج شفا جس کی سڑکوں اور شاہ راہوں پر گدائے دولتِ دین و دنیا جھولیاں پھیلائے پھرتے ہیں اور جب لوٹتے ہیں تو اُن کی جھولیاں بھری ہوتی ہیں اور اسی مخزنِ علم و حکمت کے سمندر کے ساحل ہی پر لوگ درس و تدریس کے آب دار موتی پاکر مالامال ہوتے ہیں۔ مرضِ گمراہیت، بدعت و ضلالت سے آلودہ مریض بریلی ہی سے شفائے کامل پاکر سنت و روحانیت کے چہرے لے کر دل مبتلائے عشقِ رسول سے جگمگا کر بامراد واپس ہوتے ہیں۔ یہ بریلی عظمت و رفعت کا نشان قبلہ سنیت گنجینۂ دولت فن و حکمت و کمال، فلکِ حدیث و فقہ، آبشارِ منطق و فلسفہ کہسار، ایثار و وفا لطف و کرم، نوازش و عنایت حلم و مروت، دنیائے شمس و قمر مسیحائے غم، مرہم زخم دلِ سنیت کا شگفتہ کنول شاخِ گل کی طرح لچک دار بھی ہے اور تلوار آب دار کی مانند کاٹ دار بھی۔ یہ بریلی سنیوں کے ارمانوں کا شہر، عقیدت مندوں کی آرزوؤں کا مسکن۔ مامن اہلِ دل جہاں سنی چلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ علم و فن کے درخشندہ ستارے چل رہے ہیں اور جہاں قلم و زبان چلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ گردن نجدیت وہابیت اور گمراہیت و ضلالت کو کاٹتی ہوئی تلواریں چل رہی ہیں۔ نجدیت کٹ رہی ہے، دیوبندیت چھٹ رہی ہے، وہابیت دم توڑ رہی ہے۔ لادینیت سسکیاں لے رہی ہے، قادیانیت کے پردے چاک کئے جا رہے ہیں، گمراہیت کی دھجیاں اُڑائی جا رہی ہیں۔ بدمذہبیت کو آگ دی جا رہی ہے، باطل پرستوں کی فصیلیں کاٹی جا رہی ہیں لیکن یاد کیجیے ۱۲۷۲ھ کے اس بھیانک دور کو جب انسانیت و شرافت دم توڑ رہی تھی جب مصطفےٰ جانِ رحمت کے شیدائی بدعقیدگی کی زنجیروں میں جکڑے جا رہے تھے۔ جب حبیبِ خدا کے دیوانے ہچکولے لے رہے تھے جب ہر طرف گنگوہ و نجد کا کالا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جب تھانویت و دیوبندیت سرکارِ دوجہاں کے خلاف انگارے اگل رہی تھی۔ جب صلح کلیت اور گمراہ قافلے تیزی سے چالو تھے۔ جب علم غیب مصطفےٰ کے خلاف اجتماع کئے جا رہے تھے جب دشمنانِ رسول کے سائے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ جب بدعت و ضلالت کا کہرا ہر سو چھا رہا تھا۔ ٹھیک اس وقت بریلی کی دنیا

میں خوشبوئے عشق محبوب خدا، رچائے بسائے علم بردار سنیت مجدد دین و ملت مظہرِ غوثیت، مجسمہ کشف و کرامت سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مہرِ تابانِ سنیت بن کر چمکے تو تمام ظلمت کدے خود بخود منور ہونے لگے یہ آسمانِ علم و فن کا آفتاب بن کر زمانے پہ چھائے تو علم و عرفان کی بارشوں سے سنیت کو لہلہا دیا۔ یہ برق بن کر تڑپے تو دشمنانِ رسول کی عمارتوں کو خاکستر کر دیا۔ یہ عاشقِ مصطفٰےؐ بن کر اُبھرے تو قلعۂ نجد و وہابیت کی بنیادوں کو کچل دیا۔ اعلیٰحضرت تو اتنے سچے عاشقِ محبوبِ خدا تھے کہ پیارے رسول کے خلاف کوئی بات سُننا تو درکنار اس کے سائے سے بھی دشمنی رکھتے تھے۔

اعلیٰحضرت خود فرماتے ہیں ؎

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں سے کیا مروت کیجئے

اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وہ اس سلسلے میں اپنے قلم سے خنجرِ خوں خوار کا کام لیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ؎

کلکِ رضا ہے خنجرِ خوں خوار برق بار اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اور آگے چل کر کتنی پیاری بات کہی قربان جائیے سرکار اعلیٰحضرت کی ذاتِ گرامی پہ ادھر سُنئے عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے الفاظ خدا کی قسم سیدنا اعلیٰحضرت کے اندازِ عشق کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو جائے گا۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

الغرض بریلی وہ سرزمین ہے جس کی مساجد سے آذان و صلوٰۃ و سلام کی آوازیں آتی ہیں۔ جس کی درس گاہوں میں ماہرینِ علم و فن، اور مستند با کمال علمار کرام درس لیتے آتے ہیں۔ یہ ہی وہ بارگاہِ عالی ہے کہ جہاں بڑے بڑے رؤسائ امرار زانوئے ادب طے کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ہی وہ مرکزِ عقیدت ہے جہاں درویش و اصفیار حصولِ علم معرفت و طریقت کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ اسی چوکھٹ سے بے مرادوں

کو مرادیں ملتی ہیں۔ بے دینوں کو دین ملتا ہے، سسکتی ہوئی آرزوئیں کھل اٹھتی ہیں، بلکتی ہوئی تمنائیں تڑپتے ہوئے ارمان، سکون و اطمینان کی چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ ٹوٹے ہوئے دل، مرجھائی ہوئی کلیاں مسرت و انبساط کا لباس پہن لیتی ہیں۔ مرجھائے ہوئے چہرے کمھلائی ہوئی حسرتیں، فرحت و شادمانی کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں۔

یہاں تک عرض کرنے کے بعد میرا ذہن اس عظیم شخصیت کی جانب منتقل ہو رہا ہے جو فکر و نظر کی تجلی، حسن و تدبر کا پیکر، عزم محکم کی مضبوط چٹان، حلم و بردباری کی بے نظیر تصویر، ضبط و تحمل، صبر و رضا کی جاذب نظر تنویر، علم و فضل میں شہرۂ آفاق تفقہ و تدبر میں یگانۂ روزگار، شریعت و طریقت کے بحرِ ذخار، ورع تقویٰ کے شاہ کار، کشور شعر و ادب کے شہر یار، مملکت سلوک و تصوف کے تاج دار، نادرِ روزگار، خلاصۂ لیل و نہار، باریکیوں کا خزانہ، علوم نادرہ کا گنجینہ اپنے وقت کا یگانہ، یکتائے زمانہ، زہد و استغنا میں فرید اوان، حق گوئی و اعلاء کلمۃ الحق میں وحید جہاں، آسمان ولایت و کرامت کے نیّرِ درخشاں، فلک تقدس و طہارت کے ماہ تاباں حضور بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف حضرت علامہ مولانا الحاج المفتی الشاہ آل رحمٰن محی الدین محمد مصطفےٰ رضا خاں صاحب نوری قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی اسم گرامی سے مشہور و معروف ہے ؎

جنونِ بے خودی میں پائے استقلال رکھتا ہوں
صراطِ عشق سے لغزش نہیں کرتا قدم میرا

حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت بڑی پر شکوہ اور صلاح و تقویٰ تفقہ اور عزیمت کا ایک عجیب و غریب مرقع تھی۔ یہاں تک کہ اس ذاتِ گرامی نے اپنا سارا سرمایۂ حیات اپنی ساری توانائیاں، اپنی ساری صلاحیتیں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور اپنا سب کچھ رضائے مولیٰ کے حصول اور اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر دیا تھا۔

کون مفتیٔ اعظم ــــــ؟

○ وہ مفتیٔ اعظم ــــــ جن کی نگاہوں میں جلالِ خداوندی سمایا ہوا تھا۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کے دل میں محبت رسول کے شرارے تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کے سینے میں صدیقِ اکبر کے خلوص پیار کی تنویر تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کی پیشانی میں دشمنانِ رسول کے لئے فاروقِ اعظم کی شدت و سختی کے جلوے تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کے قلب میں سنتِ عثمانی کی مچلتی ہوئی شانِ استغنا تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کی زبان میں حیدرِ ذوالفقاری اور ضربِ ید اللہی کی چمک تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جو حفظِ حدیث میں امام بخاری کی جانشینی کرتے نظر آتے تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کے فتوے میں امام اعظم کی ترجیح ہوئی جھلک تھی

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کی نکتہ آفرینی میں امام شافعی کی مجتہدانہ شان نظر آتی تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کے قول و فعل میں امام احمد بن حنبل جیسا عزم و استقلال نظر آتا تھا۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کی ہدایت و اصلاح میں غوث اعظم کے درخشاں پیغام نظر آتے تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کے حکیمانہ طرز استدلال میں بوئے فخر الدین رازی دمکتا تھا۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کے فقر و غنا میں خواجہ غریب نواز اجمیری کی تصویر پائی جاتی تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ——— جن کی دل نواز تحریر و تقریر سے انداز غزالی ٹپکتا تھا۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جن کی جرأت مندانہ بے باکی مجدد الف ثانی کی یاد تازہ کرتی تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جن کو عشق رسول میں مست دیکھ کر علامہ جامی کی والہانہ دیوانگی دکھائی دیتی تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو آلِ رسول کا ادب و احترام کرتے ہوئے سید الطائفہ جنید بغدادی کے مسلک پر چلتے نظر آتے تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جن کی تحقیق و تدقیق میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا عکس دکھائی پڑتا تھا۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جن کی بے پناہ مصروفیت امام احمد رضا کا نمونہ پیش کرتی تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو حجۃ الاسلام امام حامد رضا کے آنکھ کے تارے تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جن کے اخلاق و کردار میں سورج کی کرنوں کی سی تابناکی تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو الفت کا دریا اور پیار کے سمندر تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جن کے نام سے دنیائے وہابیت لرزا براندام تھی۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو تصوف کے امام اور صوفیوں کے سردار تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو قوم و ملت کے معمار اعظم تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو مذہب و مسلک کے پیشوا تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو سنیوں کے سرتاج تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو دین محمدی کے چراغ تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو اسلام کے پروانے تھے۔

○ وہ مفتیٔ اعظم ـــــ جو رسول کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔

الغرض حضور مفتیٔ اعظم کو عشق الٰہی کی سرشاریوں نے بے پناہ استقامت بخشی تھی کہ

آپ کو بار بار آزمائش و امتحانات کے ہزارہا مراحل سے گزرنا پڑا۔ لیکن آپ ہر دفعہ کندن بن کر نکلے حکومت کی تاریک اور گھناؤنی فضاؤں نے بارہا استقبال کیا مگر آپ کی جبینِ اقدس پر کسی وقت بھی ایک شکن تک پیدا نہ ہو سکی۔ مکروہ جھنکار نے کتنی مرتبہ عزیمتوں کو للکارا لیکن آپ کے آہنی ارادوں میں زلزلے کی ایک ادنیٰ سی جھلک تک پیدا نہ کر سکی۔ اور مومن کی شان بھی یہی ہے کہ وہ باطل سے کبھی نہیں ڈرتا عزم و یقین کے ساتھ حق کا اعلان کرتا ہی رہتا ہے۔ اور جب حق بات کہنے سے لوگ عاجز آجاتے ہیں تو اس وقت ایک ولی اللہ کے لئے اور ایک صاحبِ علم و فن کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ باطل پرستوں کی دنیا میں کھلبلی مچا دے اور اپنے مستحکم و مضبوط ارادوں سے ان کے ارمانوں پہ پانی پھیر دے۔ اس کی باطل کشتی کو ڈبو دے اور اپنی گرجتی ہوئی آواز سے حق و صداقت کا پرچم بلند کر دے۔ اور دیکھا بھی یہی گیا ہے۔

اس کی واضح دلیل پاکستان کا وہ تاریخی واقعہ ہے جب پاکستان میں ہلال کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ وہ دور جنرل ایوب خان کا دور تھا۔ اس کے زمانے میں عیدین کے حسین موقعوں پر ہلال کمیٹی کی طرف سے ایک ہوائی جہاز اُڑایا جاتا تھا اور اس کے ذریعے چاند دیکھ کر اعلان کرا دیا جاتا تھا۔ ایک بار عید الفطر کے موقعے پر ۲۹ر رمضان المبارک کو ہلال کمیٹی کی جانب سے ہوائی جہاز اُڑایا گیا۔ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کو جاتے ہوئے ان حضرات کو چاند نظر آگیا اُن لوگوں نے اس کی اطلاع سربراہِ سلطنت پاکستان کو دی۔ صدر پاکستان جنرل ایوب خاں نے رویت کا اعلان کروا دیا مگر پاکستانی علماء اہل سنت نے ان کے اس اعلان کا رد کر دیا اس کے بعد انہوں نے دنیا کے تمام دیگر ممالک اسلامیہ شام، اردن، عرب، مصر وغیرہ کو مختلف استفتے ارسال کئے اور ایک استفتاء ہندوستان کے عظیم شہر بریلی سرکار مفتیٔ اعظم کی بارگاہ میں ارسال کیا۔ گو دیگر ممالک اسلامیہ سے آنے والے جوابات تقریباً سبھی حکومتِ پاکستان ہی کی تائید میں تھے۔ مگر علم و فضل کے تاجدار اسوۂ صدیقی و فاروقی کے شہریار امام اعظم کی یادگار

اعلیٰحضرت کے گلشن کی بہار حضور مفتیٔ اعظم و عالم نے اسے نہیں مانا اور اپنا بے نظیر فتویٰ
تحریر فرمایا جس کا اصل مضمون اس طرح پر ہے۔

"چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں
چاند نظر نہ آئے وہاں شرعی شہادت پر قاضی شرع حکم دے گا۔ چاند کو سطح
زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے دیکھنا چاہیئے۔ رہا
جہاز سے چاند دیکھنا یہ غلط ہے کیوں کہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس
لئے کہیں ۲۹ر اور کہیں ۳۰ر کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو
بلندی پر جانے کے بعد ۲۷، ۲۸ر کو بھی نظر آسکتا ہے۔ تو کیا ۲۷، ۲۸ر تاریخ کو بھی
چاند کا حکم دیا جائے گا۔ اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔ ایسی حالت
میں جہاز سے ۲۹ر کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا"

محترم حضرات! اس بے مثال فتوے کو پاکستان کے اشتہاروں اور اخباروں
میں جلی سرخیوں میں شائع کیا گیا۔ اشتہار کے چھپاں اور اخبار کے پریس سے باہر آتے ہی
پاکستانی دنیا میں ہل چل مچ گئی۔ پاکستانی علماء کی زبانوں پر تالے لگ گئے حضرت کے اس
فتوے کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ یہی وہ مفتیٔ اعظم تھے جن کے نوری فتوے نے ترویج و اشاعت
میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جن کے اثر انگیز فتوے نے روحانی انقلاب برپا کیا۔ یہاں
تک کہ اگلے مہینے میں ۲۷، ۲۸ر تاریخوں میں حکومتِ پاکستان کی جانب سے اس بات
کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے سے چاند نظر آگیا۔ تب حکومت نے حضرت
مفتیٔ اعظم ہند کے فتوے کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔ اور دنیا کے تمام
مفتیان کرام نے ان کی بارگاہ علم و فضل میں سرِ عقیدت خم کر دیئے۔ اور اگر اب بھی حضور
مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتوے کا خیال ذہن و فکر میں آتا ہے تو یوں محسوس
ہوتا ہے کہ گویا آج ہی کی بات ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ کے محبوب اور برگزیدہ
بندے اور اس کے سچے ولی اس عالمِ فانی کو خیرباد کہہ کر عالمِ جاودانی کی طرف رجوع
کرتے ہیں تو اس سے پہلے پہلے اپنے پیچھے عشق و محبت، طریقت و معرفت حق و صداقت

کی ہزاروں داستانیں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور شاید ایسے موقع پر کسی نے کہا ہے ؎

اتنی توفیق دے یارب کہ جدا ہونے پر
لوگ اتنا تو کہیں نقشِ وفا چھوڑ گیا

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے کردار و عمل کی ایسی صدہا قندیلیں روشن کی ہیں کہ شاید رہتی دنیا تک قائم رہیں گی۔ غلامان مفتیٔ اعظم آپ کی یاد کو نہ بھلا سکیں گے۔ اور راہِ حق پر چلنے کے لئے آپ کے نقشِ وفا کو سہارا بنائیں گے چوں کہ آپ عالم ربانی تھے۔ آپ اللہ کے سچے ولی تھے جن کی عظمت شان کے سامنے بڑے بڑوں نے سر جھکائے اور عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کئے۔ اور آپ نے شریعتِ خداوندی اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارا اور مصائب و آلام کی آندھیوں میں ہزاروں راہیں طے فرمائیں۔ صرف اور صرف رضائے مولیٰ کے لئے اور اس کی آرزو کی خاطر اس لئے کہ ؎

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

آقائے نعمت حضور سیدی مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی بے شمار کرامتیں اور اَن گنت واقعات ایسے ہیں۔ اگر ان کو تحریر کی شکل میں پیش کیا جائے تو بے شمار دفتر درکار ہیں۔

حضور سیدی مفتیٔ اعظم ہند ایک عاشقِ رسول ایک دیوانۂ خدا تھے۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہوں گا۔ اگر اس سے پہلے کبھی آپ نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کی کتاب حیات کا مطالعہ کیا ہے تو شاید آپ کو یاد ہوگا جبل پور کا وہ تاریخی واقعہ کہ جب آپ اپنے مرید کے بے حد اصرار پر جبل پور کے علاقوں میں اپنے چند خادموں کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں راستہ بڑا ہی پُر خطر اور پُر پیچ ہے جگہ جگہ سواری رُکتی اور چل پڑتی۔ گھوڑا انتہائی پریشان تانگے میں بیٹھنے والے حضرات اور بھی زیادہ پریشان لیکن آپ ایسے ضعف و نقاہت میں بھی تانگے میں اور لوگوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ لوگوں کو اپنی تکلیف کے ساتھ ساتھ آپ کا زیادہ خیال آ رہا ہے۔ جگہ جگہ تانگے میں جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں لوگ اچھل اُچھل جاتے ہیں تانگہ اپنی رفتار پر آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ چلتے چلتے ایک گاؤں سے

گزرتا ہے کہ سڑک پر ایک بچہ کھیلتا کودتا اچانک تانگے کے نیچے آجاتا ہے۔ تانگے کا
پہیہ اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان سے اُتر جاتا ہے۔ لوگوں میں غم و غصے
کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ چاروں طرف ہُو کا عالم ہے۔ پوری سڑک پر سناٹا چھا
گیا۔ ہر انسان اپنی اپنی جگہ پر پریشان۔ ہر طرف بے چینی ہی بے چینی نظر آرہی ہے
ہر دل اُداس ہی اُداس دکھائی دے رہا ہے۔ سڑک کی پوری دنیا ماتم کدہ بنی ہوئی
ہے۔ باپ دھاڑے مار مار کر رو رہا ہے۔ ماں بچے کی حالت دیکھ کر پچھاڑیں کھا
رہی ہے۔ کسی کو سکون و چین نہیں۔ مگر ہو ہی کیا سکتا تھا اسی مجمع میں اللہ کا ایک
ولی کامل، رسول عربی کا سچا عاشق غوث الوریٰ کا صحیح جانشین اعلیٰحضرت امام احمد رضا
فاضل بریلوی کی چمکتی ہوئی تلوار ہے۔ جن کے چہرۂ انور پر عزم و استقلال کی ایک چٹان
ہے۔ تحمل و بردباری کا ایک دریا ہے جو انتہائی سکون و اطمینان کی موجیں مار رہا ہے
وہ اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا آپ کے لب گلفشاں ہوئے اور آپ نے خادم
سے فرمایا کہ اس بچے کو اُٹھا کر لاؤ۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی چوں کہ بظاہر اس کے جسم میں
جان نہیں۔ دنیا ظاہر پر نظر رکھتی ہے۔ مگر اللہ کے خاص بندے ظاہر و باطن دونوں
پر یکساں نظر رکھتے ہیں وہ حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ قضائے
حقیقی نہیں بلکہ قضائے معلق ہے۔ بقول حضرت عارف رومی ؎

لوح محفوظ است پیش اولیاء

حضور مفتیٔ اعظم کے مکرر ارشاد فرمانے پر ایک خادم آگے بڑھا اور اُس نے
بچے کو حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خدمت میں حاضر کر دیا۔ اس بچے کو لے کر
جو بظاہر دم توڑتا ہوا نظر آرہا تھا۔ زندگی کی آخری سسکیاں لے رہا تھا جو اپنی عمر کے
سانس پورے کر کے دنیا کو خیرباد کہنا چاہتا تھا بچہ حضرت کے ہاتھوں میں ہے۔ لوگوں
کے چہروں کی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایسے پُر پیچ ماحول میں ایسے غم زدہ وقت میں
ایک مقدس ذات مفتیٔ اعظم کی تھی جن کے چہرے پر ملکوتی حسن تھا جن کے لبوں پر خاموش
مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ آپ نے اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان اپنا

دستِ شفا پھیرا۔ پھر کیا تھا کہ اچانک وہ مسکرا پڑا۔ چہرے پر طمانیت اور آنکھوں میں زندگی کی مسکراہٹ رقص کرنے لگی جیسے اس کے زخموں کو مرہم مل گیا ہو جیسے نکلی ہوئی روح دوبارہ واپس آگئی ہو جیسے مرجھائے ہوئے درخت پر ہریالی دوڑ گئی ہو۔ چند ہی لمحوں میں اضطراب کی ساری تلخی سکون کی مٹھاس میں بدل گئی۔ وہ بچہ جو ابھی ابھی زندگی کے آخری سانس طے کر رہا تھا۔ دنیا نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہ منظر ملاحظہ فرمایا کہ حضور مفتیٔ اعظم کے دستِ شفقت و محبت سے مس ہوتے ہی وہ بچہ اچھل پڑا اور فوراً اپنے گھر کی طرف دوڑا۔ لوگ اسے بلاتے رہ گئے اور بچہ یہ پیغام دیتا ہوا گھر چلا گیا ؎

مدینے کے گدا دیکھے ہیں دنیا کے امام اکثر

بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر

جب لوگوں نے حضرت کی یہ زبردست کرامت اپنی نظروں سے دیکھی تو یکے بعد دیگرے سبھی لوگ حضرت کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔ حضرت کی بے شمار کرامتیں ہیں لیکن یہاں پر میں اپنے اس مختصر سے مضمون میں چند ہی کرامتوں کا تذکرہ کروں گا۔ جس کے بعد آپ کو اس کا اندازہ کرنا ذرا مشکل نہ ہوگا کہ آپ واقعتاً نائب غوث الوریٰ ہی تھے۔ اس کے ثبوت میں تاریخ کا یہ تراشہ بھی کچھ کم راہنمائی کرتا ہوا ثابت نہیں ہوگا۔

واقعہ یوں ہے کہ شہر بریلی میں نواب راحت جان صاحب رہتے ہیں یہ بزرگان کرام سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ میرے بھی موصوف سے قریبی تعلقات ہیں۔ ایک بار نواب صاحب نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ میں کسی خاص غوث اعظم کے جانشین سے بیعت ہوں گا جو اس دور میں غوثِ اعظم کی چلتی پھرتی تصویر ہو جس کے تقوے اور طہارت سے غوثِ اعظم کی یاد تازہ ہوتی ہو جس کے اسلوب بیان سے غوثِ پاک کا انداز ملتا ہو جس کے وعظ و نصیحت سے غوث ربانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی جیسا اثر مرتب ہوتا ہو جس کے سینے میں غوثِ اعظم جیسا عشقِ رسول تڑپ رہا ہو۔ اس وقت میری نظروں میں چند بزرگ ہستیاں تھیں سرِ فہرست حضور مفتیٔ اعظم ہند تھے اور دیگر بزرگ بھی تھے مگر میں مطمئن نہ ہو سکا کہ صحیح معنوں میں جانشین غوث کون ہے لیکن

میرے سینے میں مچلتے ہوئے جذبات تھے۔ اٹھتی ہوئی تمنائیں تھیں۔ حسرت و یاس میں ڈوبا ہوا دل غوثِ اعظم کے جانشین کو ڈھونڈتا رہتا تھا۔ اسی کشمکش اور اسی جستجو میں کوشاں رہتا کہ مجھے نائبِ غوث الوریٰ مل جائے۔ حتیٰ کہ میں جانشین غوث کی تلاش میں بغداد شریف پہنچا۔ بغداد کی گلیوں میں دیوانہ وار چکر لگاتا بغداد کی فضاؤں میں مستانہ چال چلتا صرف غوثِ اعظم کے جانشین کو تلاش کرنے میں منہمک رہتا۔ جب خانقاہِ غوث میں پہنچا۔ درگاہ کے ایک سجادہ نشین جو واقعی میری نظر میں جانشین غوث الوریٰ لگتے تھے۔ میں نے چاہا کہ ان کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت حاصل کرلوں۔ مگر کچھ نہ جانے کیوں میرے اندر ایک کھٹک سی محسوس ہوئی اور دل میں ان کی طرف سے آرزوؤں کا جو چراغ روشن ہوچکا تھا وہ یک بہ یک گل ہوگیا' میرے دل کی انجمن کا گوشہ محبت سرد پڑگیا۔ میری اُلفت کے زخموں کا بندھن ٹوٹ گیا۔ دل کی کھلی ہوئی کلی مرجھاتی چلی گئی لیکن یاد رکھئے غم کی چوٹ اُبھرتی ہے تو خود بہ خود ابر رحمت اس کی حفاظت کرتی ہے۔ غرض کہ دل کی اس کھٹک کی وجہ سے میں نے اپنا ارادۂ بیعت منسوخ کردیا۔

آخر دل کی بے قراری حد سے تجاوز کرنے لگی تو میری آرزوؤں کی شمع کو روشن کرنے کے لئے سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کا دریائے رحمت جوش میں آہی گیا۔ اور اچانک میرے اوپر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حالتِ خواب میں دیکھتا کیا ہوں کہ سرکارِ دوجہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے جلوہ افروز ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے سیدنا سرکارِ غوثِ پاک ہیں ان کے پیچھے سیدنا حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ ہیں' میری زبان سے برجستہ نکلا پیارے غوث اس وقت دنیا میں آپ کا جانشین کون ہے غوثِ پاک نے فرمایا کہ تیرے ہی شہر بریلی میں تو میرا جانشین ہے۔ مجھ سے پھر بھی نہ رہا گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضور کون؟

سیدنا غوث پاک نے سرکار مفتیٔ اعظم کی طرف اشارہ فرماکر فرمایا دیکھ یہی تو ہے میرا نائب۔ میں نے اپنی لاعلمی پر بے پناہ افسوس کیا اور پھر میں نے بریلی ہی کا سفر شروع

کر دیا۔ سر زمین بریلی شریف پہنچ کر آقائے نعمت حضور مفتیٔ اعظم ہند رضوان اللہ تعالےٰ علیہ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوا۔ تو اُس وقت سرکار مفتیٔ اعظم نے برجستہ ارشاد فرمایا کہئے میاں نواب صاحب کہاں کہاں گھوم آئے، کیا کیا دیکھا۔ حضرت کے یہ چند کلمات مبارکہ سُن کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور اچانک میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔ فوری میں نے سرکار مفتیٔ اعظم ہند کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل کیا۔ شاید اسی موقعے کے لئے کسی نے کہا ہے ؎

دِلوں کی بات نگاہوں کے درمیاں پہنچی
کہاں چراغ جلا روشنی کہاں پہنچی

٭

اعلان

مقالاتِ نعیمی کے باقی حصص بالخصوص حصۂ دوئم زیر طبع ہے۔ انشاءاللہ المولیٰ تعالیٰ بہت ہی جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر اپنی پوری آن بان کے ساتھ منظرِ عام پر آرہا ہے۔

المعلن
سلامی سنبھلی
اسلامی اکیڈمی سرائے ترین

اسلام اور قربانی

شہنشاہِ فکر و تدبر، آبروئے سنیت فقیہ ملت حضرت مولانا الحاج
محمد یامین صاحب نعیمی اشرفی مہتمم جامعہ نعیمیہ مراد آباد

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اسلام ایک انقلابی پیغام ہے، اسلام ایک خدائی آواز ہے، اسلام ایک مستحکم ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام ایک انسانی ہدایت و رہنمائی کا روشن چراغ ہے اسلام گمراہ قوموں کو راہِ ست پر لانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اسلام اجڑے ہوئے دیار کو بسانے کا مؤثر علاج ہے۔ اسلام ایک عمدہ نظام ابدی جامع دستور ہے۔ اسلام باعثِ اعزاز وعظمت ہے۔ اسلام ایک عالم گیر وحدت ہے۔ اسلام ایک قانونِ فطرت ہے۔ اسلام امن کامل کی حیات بخش ضمانت ہے۔ اسلام کشورِ بدن کا سلطان اور جانِ جہان ہے اسلام آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا نور ہے۔ اسلام بے کسوں کا کس اور بے سہاروں کا سہارا ہے اسلام سینے کی دھڑکن اور دل کا درمان ہے۔ اسلام منشاءِ مشیتِ ایزدی اور اصولِ مصطفےٰ ہے۔

لیکن یاد رکھئے اسلام ایثار چاہتا ہے۔ اسلام قربانی چاہتا ہے اسلام جذبۂ شہادت چاہتا ہے۔ اسلام حضرت ہاجرہ جیسا جگر چاہتا ہے۔ اسلام اسماعیل ذبیح اللہ جیسا عشق چاہتا ہے۔

آیئے۔ ہم سب سے پہلے تاریخ کے اس روشن باب کو دہرائیں اور اس درس کا مطالعہ کریں جب اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے خدائی قانون کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہا۔ جب پرچم اسلام کو بلند کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ جب اسلام کو لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی۔ جب بتوں کے سامنے جھکی ہوئی پیشانیوں کو خدائے واحد کے آگے جھکانے کی دعوت دی۔ جب لوگوں کو اخوت ومحبت کا درس دیا تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کو قید کر دیا گیا بلکہ یہاں تک کہ نمرود نے ارکانِ سلطنت اور وزرائے بارگاہ کو بلایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مشورے کیے۔ مختلف مشیروں نے مختلف مشورے دیئے۔ کسی نے کہا جلا وطن کر دیا جائے کسی نے کہا کہ ان کو جنگل کی ویران وادیوں میں چھوڑ کر شہر کی آبادیوں میں نہ آنے دیا جائے۔ کسی نے کہا ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر تاعمر قید کر دیا جائے۔ کسی نے کہا کہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر کر دیا جائے۔ الغرض اس آخری فیصلہ پر سبھی مشرکین متفق ہو گئے اور آگ میں ڈالنے کی تیاریاں شروع ہونے لگیں نمرود نے حکم دیا کہ بھرکی میں گز لمبی اور بیس گز چوڑی ایک چہار دیواری تیار کی جائے۔ اور ہر صغیر وکبیر مرد عورت اس چہار دیواری میں لکڑیاں جمع کرے۔ جو اس حکم کی نافرمانی کرے گا اس کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ کفار ومشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی اور نمرود کو خوش کرنے کے لئے لکڑیاں بھی جمع کرنی شروع کر دیں۔ اس جوش وخروش سے جمع کیں کہ عورتوں نے جو بیمار تھیں نذر مانی کہ اگر ہمیں صحت ہوئی تو حضرت ابراہیم کے جلانے کے واسطے لکڑیاں جمع کریں گے۔ ایک ماہ کامل تک لکڑیاں جمع ہوتی رہیں۔ جب چہار دیواری لکڑیوں سے بھر گئی تو ان میں آگ لگا دی گئی۔ آگ کے فلک شگاف شعلے آسمانوں سے باتیں کر رہے تھے۔ فضائے آسمانی میں پرواز کرنے والے وحوش وطیور کے پر جل رہے تھے۔ جب کوئی پرندہ آگ کے اوپر سے گزرتا ہے تو جل بھن کر کباب کی طرح ہو جاتا۔ آگ کی حرارت اور اس کی تیزی سے دور دور کی زمین تپ رہی تھی۔ آگ کی بے پناہ تپش نے شہر کے گوشے گوشے، کونے کونے خطے خطے سے سکون وچین چھین لیا تھا۔ دور دور تک کی آبادیوں میں لوگوں کا جینا

دشوار تھا۔

اس بات کی نمرود کو اطلاع دی گئی کہ عالی جاہ آگ پورے زور و شور پر ہے۔ نمرود نے حکم دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق ڈال کر قید خانے سے باہر نکال کر میرے پاس لایا جائے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کے دربار میں لایا گیا۔ نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم ابھی وقت ہے چھوڑ دے دامنِ اسلام کو بند کر دے اپنے خدائی قانون کو باز آجا اسلام کی تبلیغ سے ورنہ یاد رکھ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے تیرے لئے تیار ہیں۔ آگ میں جلا کر تجھ کو راکھ کر دیا جائے گا۔ آپ نے سُن کر تبسم فرمایا۔ اور نہایت رعب بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ نادان مجھے آگ کی دھمکی دیتا ہے۔ مجھے آگ کا خوف دلاتا ہے۔ آگ زرِ خالص کو نہیں جلا سکتی۔ نمرود نے حکم دیا کہ آپ کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ آپ کو آگ میں ڈالنے کے لئے کوئی تیار نہ ہوا کیوں کہ آگ کی گرمی کی تیزی اس حد تک تھی کہ کوئی انسان اس کے قریب تک نہیں جا سکتا تھا۔ کفار سوچ و فکر کے اتھا سمندر میں ڈبکیاں لے رہے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح ڈالا جائے۔ اچانک ایک بزرگانہ لباس پہنے ہوئے ایک بڑی چادر اوڑھے ہوئے شیطان دشمنِ انسان نمرود کے سامنے آتا ہے۔ نمرود نے پوچھا تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ شیطان نے کہا بڑی مدت سے تیری خدمت میں مشغول ہوں اور تیرے لئے دعا کرتا ہوں۔ اب میں نے سنا ہے کہ ایک جادوگر آیا ہوا ہے اور وہ تیرا دین بدلنا چاہتا ہے اور تو نے اس کے جلانے کا ارادہ کیا ہے۔ مگر تیرے ملازمین آگ کی تیزی کی وجہ سے اس کو آگ میں پھینکنے سے عاجز رہ گئے ہیں۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ان کو آگ میں ڈالنے کا طریقہ بتاؤں۔ نمرود نے اس لعین کے آنے کو بڑا مبارک سمجھا اور اس کی بڑی تعریف کی۔ شیطان لعین نے دوزخ کے دروازے پر ایک منجنیق بنی ہوئی دیکھی تھی اس کے بنانے کا طریقہ جانتا تھا۔ بڑی ہی سنجیدگی کے ساتھ منجنیق کے فوائد سمجھانے لگا اور اس کے بنانے کے طریقے بتانے لگا۔

الغرض شیطان کے بتانے سے ایک منجنیق تیار کی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق ڈال کر منجنیق میں رکھا گیا۔ اللہ اکبر ایسا روح فرسا منظر جس کا نظارہ پوری کائنات کر رہی ہے زمین کی وسعتیں دیکھ رہی ہیں۔ سورج کی کرنیں دیکھ رہی ہیں۔ ستاروں کی گردشیں دیکھ رہی ہیں۔ بادِ صبا کے سرسری جھونکے دیکھ رہے ہیں۔ دریا کی موجیں، پہاڑوں کی بلندیاں دیکھ رہی ہیں۔ انبیاء کرام کی روحانیت دیکھ رہی ہے۔ فرشتوں کی معصومیت دیکھ رہی ہے۔ زمین کا گوشہ گوشہ آسمان کا ذرہ ذرہ، دریا کا قطرہ قطرہ، الغرض پوری کائنات بارگاہِ الٰہی میں گریہ و زاری کر رہی ہے اور زبانِ حال وقال سے کہہ رہی ہے کہ مولیٰ تمام روئے زمین پر صرف تیرا ایک ہی بندہ ہے جو تیری وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ تیری بارگاہ میں سر بسجود رہتا ہے اور تجھے یکتا سمجھتا ہے۔ اب اس کو نہایت بے دردی کے ساتھ آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہم اس کی مدد کریں۔ فرمانِ الٰہی ہوا اگر وہ تم سے مدد چاہتا ہے تو اس کی مدد کرو اور اگر میرے سوا کسی کو نہیں چاہتا تو میں اسے خوب چاہتا ہوں اور میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں خَلُّوا بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ۔ میں اس کا اور وہ میرا تم اس میں دخل نہ دو۔ جب نمرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ کے پاس پانی کا ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے ابراہیم علیہ السلام دریا کی موجوں پر میرا قبضہ ہے۔ پانی کی لہروں پر میری حکومت ہے اگر تم چاہو تو پانی سے ان بدبختوں کو غرق کر دوں۔ اگر حکم ہو تو آگ کو آناً فاناً بجھا دوں۔ پھر آپ کے پاس ہوا کا ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرنے لگتا ہے کہ پیارے ابراہیم ہوا کے جھونکے میری حکومت میں ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہوا کے جھونکوں سے آگ کو بجھا دوں۔ آپ نے ان دونوں کو ایک ہی جواب دیا۔ خَلُّوا بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَلِیْلِیْ حَتّٰی یَفْعَلَ مَا یَشَآءُ۔ فرشتو خدا میرا اور میں خدا کا تم کون ہو جو دخل دیتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کا نقشہ کھینچ کر کیا ہی خوب کہا ہے ؎

جانتا ہے وہ میرا ربِ جلیل
آگ میں جاتا ہے اب اس کا خلیل

دوستو! یاد رکھو اب وہ وقت آچکا ہے کہ ظالم آپ کو نہایت بے دردی کے ساتھ بذریعہ منجنیق آگ میں پھینکنے جا رہے ہیں۔ آپ منجنیق سے جدا ہو کر بھڑکتی ہوئی آگ کے قریب پہنچ رہے ہیں کہ روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں یَا اِبْرَاهِیْمُ اَلَکَ حَاجَۃٌ۔ پیارے ابراہیم کیا کوئی حاجت ہے خادم حاضر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا نَعَمْ اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا۔ حاجت تو ہے مگر آپ کی کوئی حاجت نہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی جس سے حاجت ہے اس سے طلب کرو کیوں کہ آگ تو بالکل قریب آگئی۔ آپ نے فرمایا عِلْمُہٗ بِحَالِیْ حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ۔ جس سے حاجت ہے وہ خوب جانتا ہے وہاں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اب آپ آگ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

ایک طرف آگ کے انگارے ہیں دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ کو منجنیق میں رکھ کر آگ کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ آگ کی حرارت و تمازت سے ڈرایا جا رہا ہے۔ آپ کو آتشی چنگاریوں سے خوف دلایا جا رہا ہے۔ آپ کو کڑکتی اور جلتی ہوئی آگ دکھا کر دینِ اسلام کی تبلیغ سے روکنے اور بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسے موقعے پر عقل اس بھیانک منظر کو دیکھ کر گھبرا رہی ہے عقل سنسناتی ہوئی آگ دیکھ کر سوچ و فکر میں ڈبکیاں لے رہی ہے۔ لیکن عشق میدانِ عمل میں اتر آتا ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ادھر عشقِ ابراہیم نے آگ میں چھلانگ لگادی ادھر رب الارباب ستار و غفار کا حکم ہوتا ہے۔ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ۔ اے آگ خلیل تجھ میں تشریف لا رہے ہیں۔ خبردار اس کو مت جلانا اور ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جانا۔ رب کائنات کا حکم سنتے ہی بھڑکتی ہوئی آگ نہایت ہی حسین و جمیل گلزار کی شکل اختیار کر لیتی ہے

بلکہ پوری روئے زمین کی آگ سرد پڑ جاتی ہے۔ یہ سمجھ کر کہ شاید یہ حکم ہمارے ہی لئے ہوا ہے۔ اب آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے وہ پورا میدان جو آتش کدہ بنا ہوا تھا وہ حضرت ابراہیم کی برکت سے گل کدہ بن گیا۔ وہ تمام لکڑیاں کچھ ریاحین کچھ نسرین کوئی نرگس کوئی ارغوان بن گئیں ان میں شگوفے اور کلیاں نکل آئیں میوے لگ گئے۔ پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ بلبلیں اور قمریاں اپنے اپنے نغمے گانے لگیں۔ حضرت خلیل علیہ السلام کو ریشمی لباس سے آراستہ کر کے تخت بہشتی پر بٹھا دیا گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام دائیں طرف اور حضرت میکائیل علیہ السلام بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک فرشتہ پنکھا جھل رہا ہے۔ نمرود مردود سوچ رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہلاک ہو گئے ہوں گے اور یہ سوچ کر بلند مکان کی چھت پر چڑھ کر دیکھنے لگا۔ لیکن دیکھا کہ تمام آتش کدہ گلزار بنا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کے مقدس جھرمٹ میں تخت پر جلوہ گر ہیں۔ پوچھا اے ابراہیم کس طرح اس آگ سے بچ کر اس ناز و نعمت میں پہنچ گئے ہو۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا نمرود کی بیٹی رغفہ نے اپنے باپ نمرود سے کہا کہ میں چھت پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کر لوں۔ نمرود نے کہا بیٹی وہ جل کر خاکستر ہو گئے ہوں گے۔ بیٹی کا ستارہ عروج پر تھا اس نے پھر ایک مرتبہ اجازت چاہی۔ باپ نے ہونے والی نیک بخت بیٹی کو اجازت دی رغفہ نے چھت پر چڑھ کر جب اس آتش کدہ کی طرف نظر کی تو بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاکستر ہونے کے کیا دیکھتی ہے کہ آپ ایک تخت پر رونق افروز ہیں۔ چہار جانب فرشتوں کا ایک مقدس قافلہ ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے حسین جھرمٹ میں لئے ہوئے ہے۔ رغفہ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نورانی قافلے کے جھرمٹ میں دیکھا تو رغفہ کے جذبات کی دُنیا مچل گئی۔ رغفہ کی محبت کا شعلہ بھڑک اُٹھا۔ رغفہ کے دل میں اُلفت کا ایک حسین ہیجان پیدا ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نورانی چہرے کو دیکھ کر رغفہ کے دل میں فطری طور پر رغبت کی ایک دنیا آباد ہو گئی۔ حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے نورانی و ایمانی و ولولہ انگیز کردار کو دیکھ کر رغفہ کے سینے میں ایمان کا بحرِ ذخار موجیں مارنے لگا رغفہ نے جھٹ ہی سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی اے اللہ کے مقدس نبی کس نے آپ کو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نجات دلائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تختِ بہشتی سے جواباً ارشاد فرمایا۔ من کان فی قلبہٖ مَعْرِفَتُ اللّٰہِ لاتحرقہ النار۔ جس کے دل میں معرفتِ الٰہی ہوتی ہے اس کو آگ نہیں جلاتی۔ یہ سن کر رغفہ نے کہا اے ابراہیم کیا آپ مجھے اجازت دیں گے اپنے پاس آنے کی۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا ہاں ہم تم کو اجازت دیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنے معبودانِ باطل کی پرستش و پوجا سے توبہ کرو اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لے آؤ اور صدقِ دل سے لا الٰہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ پڑھ کر چھلانگ لگا دو اور کوئی خوف نہ کرو۔ رغفہ کے دل میں اب ایمانی جذبہ جوش مارتا ہے اب وہ نورانی فرشتوں کی جماعت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملنے کے لئے کودنے کو تیار ہو چکی ہے اب وہ ساعتِ سعید بہت ہی جلد قریب آرہی ہے۔ اس کی قسمت کا ستارہ چمکتا ہے اور وہ کلمہ لا اِلٰہَ الا اللہ ابراھیم خلیل اللہ صدقِ دل سے پڑھ کر فوری کود پڑتی ہے۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہی اس کا دل تجلیاتِ الٰہی سے مجلیٰ و منور ہو جاتا ہے اور اس کا سینہ معرفتِ خداوندی سے معمور ہو جاتا ہے اب وہ ایک جبل صص کی طرح اپنے ایمان میں مضبوط و مستحکم ہو کر اپنے باپ کی طرف لوٹتی ہے۔ باپ نے جب اپنی امیدوں کے خلاف بیٹی کو صحیح وسلامت آتش کدہ سے واپسی کرتے ہوئے دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ انگشت بدنداں ہو کر عالمِ حیرت میں اپنی بیٹی سے حقیقتِ حال معلوم کرتا ہے کہ بیٹی اس آگ کی بھڑکتی ہوئی چنگاریوں سے صحیح سلامت کیسے لوٹ رہی ہے۔ بیٹی نے بڑے ہی حیرت انگیز لہجے میں باپ سے کہا کہ اے پدر جس آتش کدہ کو تو نے ایک زمانہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے آباد کیا تھا وہاں تو آگ کا پتہ بھی نہیں ہے وہ تو ایک شاندار گلزار ہے جہاں تختِ بہشت بچھا ہے وہاں تو نورانی فرشتوں کا گروہ موجود ہے۔ اس مقدس گروہ

کے جھرمٹ میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تختِ بہشتی پر جلوہ افروز ہیں۔ باپ اپنی نیک بخت بیٹی کے یہ کلمات سن کر بے پناہ متاثر ہوا۔ دین ابراہیمی کی حقانیت اس پر آفتاب سے زیادہ ظاہر و باہر ہوگئی۔ مگر وہ لوگوں کی ملامت کے ڈر سے اپنے دین باطل و عاطل ہی پر قائم رہا۔ پہلے تو اس نے لڑکی کو بڑی محبت و شفقت بھرے انداز میں سمجھایا کہ بیٹی تم اس دین ابراہیمی کو چھوڑ دو۔ مگر بیٹی کو وہ آہنی کی طرح اپنے ایمان میں مضبوط و مستحکم بن چکی تھی۔ اس کے سینے میں دین ابراہیمی کا ایک زبردست قلعہ تعمیر ہو چکا تھا جس کو گرانا سوائے اس معمار حقیقی کے کسی کے بس کا نہ تھا۔ باپ نے ہر چند محبت و الفت بھرے لہجے میں بھسلانا چاہا مگر دختر نیک اختر اپنے سچے دین سے نہ پھری تو اب اس کو ظلم و تشدد کے شکنجے میں دبا کر اس کے ایمان کو چھیننا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کو طرح طرح کی آزمائش و امتحان کی بھٹیوں میں جھونکا مگر اس کے پائے استقلال میں ذرا لغزش نہ آسکی یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو مضبوط باندھ کر سخت تیز دھوپ میں گرم ریت پر لٹایا ادھر دریائے رحمت جوش میں آیا۔ سدرہ سے حضرت جبرائیل امین کو حکم ملا کہ اے جبرائیل جاؤ میری بندی کو دشمنوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر میرے خلیل کے پاس پہنچا دو۔

چناں چہ تاریخ بتاتی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے رغفہ کو حضرت خلیل علیہ السلام کے پاس پہنچا دیا کچھ مدت کے بعد حضرت خلیل علیہ السلام نے اس نیک بخت خاتون کا نکاح اپنے فرزند ارجمند مدین کے ساتھ کر دیا۔ پروردگار عالم نے سعادت مند لڑکی سے بیس (٢٠) فرزند بطناً بعد بطنٍ پیدا فرمائے جو سب کے سب مسندِ نبوت پر فائز ہوئے۔

فالحمد للہ علی ذالک

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ آپ کے ہمراہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ پہلے آپ شہر حران میں مقیم ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد مصر کی طرف ہجرت فرمائی وہاں کا بادشاہ بڑا ہی ظالم و جابر، فاسق و فاجر تھا اس کی سلطنت کا یہ قانون تھا کہ اس کے یہاں کوئی حسین و جمیل عورت آتی تو وہ

پہلے اس کے روبرو پیش کی جاتی اگر اس کو پسند آتی تو رکھ لیتا ورنہ واپس کر دیتا اس بدبخت نے شہر کے ہر چوراہے پر اپنے ملازمین لگا دیئے جن کا کام صرف یہ ہوتا کہ باہر سے آنے والے قافلوں کو دیکھیں اگر ان میں عورتیں ہوتیں تو ان کو اس بادشاہ کے دربار میں پیش کیا جاتا۔ جب شہر میں کسی کی شادی ہوتی تو سب سے پہلے وہ نئی نویلی دلہن اس بادشاہ کے پاس بھیجی جاتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا تھیں جو سب عورتوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل اور خوب صورت تھیں۔ مخبر نے خبر دی کہ مسافر کے ہمراہ ایک عورت ہے جو حسن وجمال میں بے نظیر ہے جس کے چہرے سے آفتاب کی طرح نور ٹپک رہا ہے۔ ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اپنے آدمی بھیجے جو آپ کو بلا کر ظالم بدبخت کے پاس لے گئے ظالم بادشاہ حضرت سارہ کو دیکھ کر فریفتہ ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھنے لگا یہ عورت تیری کیا لگتی ہے آپ نے اس خوف سے کہ میں اگر بیوی بتاتا ہوں تو کہیں یہ قتل نہ کر ڈالے یا کہیں اس کی عصمت دری کے درپے نہ ہو جائے فرمایا کہ میرے ساتھ یہ میری بہن ہے۔ لیکن اس ظالم بدبخت نے اس کے باوجود کہ وہ بہن بتانے پر لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا مگر حضرت سارہ پر اس درجہ فریفتہ ہو چکا تھا کہ بہن بتانے پر بھی نہ چھوڑا اور پکڑ کر ایک کمرہ میں بند کر لیا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کمرہ کے باہر ہی تھے۔ اللہ رب العزت جل وعلا نے کمرہ کو شیشے کی طرح کر دیا اور آپ کو کمرہ کے اندر کے سارے حالات نظر آتے رہے۔ ظالم بادشا حضرت سارہ کی عصمت لوٹنے کے لئے اور ان کی پاک دامنی کو داغدار کرنے کے لئے ظالم ہاتھ کو آگے بڑھاتا ہے۔ لیکن اس پر خدائی عذاب ٹوٹتا ہے۔ قہر خداوندی نازل ہوتا ہے اور اس کا ہاتھ شل ہو جاتا ہے تو حضرت سارہ سے عرض کرتا ہے کہ آپ بارگاہ خداوندی میں میرے لئے دعا فرما دیجئے تاکہ میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے اب اس کے بعد میں آپ کی طرف ناجائز طریقے سے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی۔ آپ کی دعا مقبول بارگاہ الٰہی ہوئی اور اس ظالم کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔

پھر شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا ایک بار پھر اس نے اپنا پاپی ہاتھ آگے بڑھایا تو پھر خشک ہوگیا۔ پھر طالب دعا ہوا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا فرمائی کہ مولیٰ یہ تیرا نافرمان بندہ اپنے اس بُرے کیے پر شرمندہ و نادم ہے۔ مولیٰ اگر یہ واقعی شرمندہ ہی ہے تو اس کو اپنی رحمت کے صدقے میں صحت و عافیت عطا فرما رحمتِ الٰہی نے جوش مارا، اس بادشاہ کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ وہ ظالم و جابر بد بخت بادشاہ باز نہ آیا۔ اس نے پھر تیسری بار سیدتنا حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی جانب اپنا ظلم و جبر والا ہاتھ فاسد خیال لے کر آگے بڑھایا۔ غضبِ الٰہی نازل ہوا اس کا ہاتھ پھر شل ہوگیا۔ اب کیا ہے اب تو بادشاہ کو کسی کل چین نہیں بے جا پریشان ہے گڑگڑا کر حضرت سارہ سے عرض کرتا ہے کہ اب کی بار اور دعا فرما دیجئے اب تو میں کسی قیمت پر آپ کے اوپر ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ بخدا اب میں آپ کو کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ اب تو آپ آخری بار دعا فرما دیجئے۔ حضرت سارہ نے جب اس کا گڑگڑانا دیکھا تو آپ کو پھر رحم آگیا اور آپ نے اس کو معاف فرما کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ مولیٰ اگر یہ تیرا بندہ اپنے وعدے میں سچا ہے اور اب اس کے دل سے واقعی پاپ رخصت ہوچکا؟ تو اب یہ تیری بارگاہ میں شرمندگی و ندامت کے ساتھ حاضر ہے میں اس کو معاف کرتی ہوں خدایا تو بھی اس کو معاف فرما۔

نیک بخت بندی حضرت سیدتنا سارہ رضی اللہ عنہا کی دعا بابِ اجابت سے ٹکراتی ہے۔ بابِ اجابت کھلتا ہے۔ دریائے رحمت جوش میں آتا ہے پھر اسی ظالم و جابر، فاسق فاجر کا ہاتھ یصحت ہو کر اپنی پہلی سی حالت پر آجاتا ہے۔ یہ سارا نقشہ حضرت خلیل علیہ السلام کمرے سے باہر ملاحظہ فرما رہے تھے۔ بادشاہ نے جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی یہ زبردست عجیب و غریب آفتاب سے زیادہ چمکتی کرامت دیکھی تو متاثر ہو کر اپنی ایک نیک بخت باندی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لئے پیش کیا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت خلیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ اب حضرت خلیل علیہ السلام وہاں سے

سفر کا ارادہ فرما کر ملک شام تشریف لاتے ہیں! اور وہاں پر ارض مقدس میں سکونت پذیر ہو جاتے ہیں۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس لئے حضرت سارہ نے اپنی لونڈی حضرت خلیل علیہ السلام کو بخش دی۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے اہل خانہ کو لے کر ارض مقدس تشریف لے آئے تو آپ نے وہاں پر بارگاہِ ایزدی میں دعا فرمائی کہ مولیٰ مجھے ولد صالح عطا فرما۔ اللہ کے مقدس نبی حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوتی ہے اور آپ کو ایک بڑا ہی حسین وجمیل خوب صورت بچہ حضرت ہاجرہ کے بطن مبارک سے عطا ہوتا ہے جن کا نام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رکھا جاتا ہے جن کو بعد میں جدا مجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذبیح اللہ کے لقب سے بھی نوازا جاتا ہے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے فرزند ارجمند کو گود میں بٹھائیں۔ ان سے طبیعت میں انس حاصل کریں۔ ان کو بڑے ہی لاڈو پیار سے کھلائیں۔ ہر لمحہ ان کو نگاہِ شفقت ومحبت سے نوازتیں ایک طویل زمانے تک حضرت سارہ حضرت ہاجرہ کی اس محبت وشفقت کو دیکھتی رہیں لیکن ایک دن آتا ہے کہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی خالی گود دیکھ کر حضرت ہاجرہ پر رشک کرنے لگیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کرنے لگیں کہ آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند ارجمند کو یہاں سے کہیں باہر چھوڑ آئیں۔

دوستو یاد رکھنا یہ بھی حکم الٰہی ہی تھا اس میں بھی بڑے راز پوشیدہ تھے بڑی حکمتیں تھیں۔ جن کو سوائے رب کائنات کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ہاں ہم اتنا جانتے ہیں کہ یہ دراصل مکہ معظمہ اور بیت اللہ شریف کے بننے کا اللہ تعالیٰ نے ایک سبب

پیدا فرمایا تھا۔ چنانچہ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے لختِ جگر نورِ نظر حضرت اسمٰعیل کو اس سرزمین پر چھوڑ آئیں جو اب مکہ معظمہ کے نام سے مشہور ہے جہاں تجلیاتِ ربانی اور انوارِ الٰہی کی بارشیں ہوتی ہیں۔ جہاں رحمتِ الٰہی کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ نزول ہوتا رہتا ہے۔ جہاں کی ایک نیکی وہاں کے علاوہ سارے جہان کی ایک لاکھ نیکیوں کا ثواب رکھتی ہے جس کی زیارت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہی وہ مکہ معظمہ ہے جہاں ایسے مقاماتِ مقدسہ ہیں جن کے بارے میں ہم کو بشارت دی گئی کہ یہاں جو مانگو گے وہی پاؤ گے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے سر جھکتے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ عالی مقام ہے جہاں اللہ کے مقرب بندے اور اللہ کے مقدس اولیاء سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

آپ دونوں کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کر کے شام سے سرزمین حرم لائے اور کعبہ معظمہ کے نزدیک مقامِ زم زم میں اتارا۔ اس وقت یہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ کوئی درخت۔ آپ ان کو ایک توشہ دان کھجوروں کا، ایک برتن پانی کا دے کر اس طرح تشریف لے گئے کہ ان کی طرف رخ کر کے بھی نہیں دیکھا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ اللہ کے مقدس نبی حضرت خلیل آپ ہم کو یہاں بیابان جنگل میں کہاں چھوڑے جا رہے ہیں اور وادی بے انیس و رفیق میں ہم لوگوں کو بٹھا کر کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی کوئی توجہ فرمائی۔ حضرت ہاجرہ نے چند مرتبہ یہی عرض کیا مگر حضرت خلیل کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر حضرت ہاجرہ نے عرض کی اے اللہ کے پیارے نبی۔ کیا پروردگار عالم کا یہی حکم ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ ہاں اللہ کا یہی حکم ہے۔ تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا یہی حکم ہے تو اب ہمیں کوئی خوف نہیں ہماری محافظت اب وہی باری تعالیٰ خود فرمائے گا۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ مولیٰ میں اپنے لختِ جگر نورِ نظر اور پیاری ہاجرہ کو وادئ بیابان میں تیرے بیت الحرمت کے پاس چھوڑے جاتا ہوں تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ مولیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی

طرف مائل کردے۔ ان کے کھانے کے لئے رزق عطا فرما دے تاکہ وہ تیری بارگاہ میں شاکرین میں سے ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وہیں پر دن رات اللہ کی یاد میں گزارتے ہیں۔ سیدنا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جو رخصت ہوتے وقت آپ کو کھجوریں اور پانی دیا تھا کچھ دن تو ان کھجوروں اور پانی سے گزارہ کیا اور اپنے فرزند کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب وہ پانی ختم ہو گیا۔ پیاس کی شدت نے بے چین کیا اور چھاتی سے دودھ بھی خشک ہو گیا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا حلق مبارک پیاس کی وجہ سے کانٹا بن گیا تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑیں۔ ایک طرف پانی کی تلاش ہے دوسری طرف فرزند ارجمند کا خطرہ ہے۔ آپ پہاڑی پر چڑھتی ہیں اور فرزند کو دیکھتی جاری ہیں اور پھر پانی کی تلاش میں دوڑتی ہیں۔ پھر دوسری بار پہاڑی پر چڑھ کر اپنے فرزند کو دیکھتی ہیں یہاں تک کہ آپ سات مرتبہ دوڑیں۔ رب کائنات کو اپنی اس نیک خاتون کا دوڑنا اتنا پسند آیا کہ ہر حاجی کو صفا و مروہ میں دوڑنے کا حکم دیدیا تاکہ دنیا والے یہ سمجھ لیں کہ کل تو حضرت ہاجرہ ضرورت کے وقت دوڑی تھیں لیکن آج بغیر ضرورت بھی حضرت ہاجرہ کی اس ادا کو اپنانا پوری کائنات کے حاجیوں کے لئے واجب اور ضروری ہے تاکہ حضرت ہاجرہ کی یہ سنت ہمیشہ جاری رہے یہاں تک کہ اگر کسی حاجی نے اللہ کی اس نیک بندی کی یہ ادا ترک کر دی تو اس کا حج مکمل نہیں۔

دوستو قربان جاؤ قدرت خدا پر کہ اُدھر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں دوڑ رہی ہیں اِدھر رحمتِ الٰہی ان کی طرف دوڑتی ہے۔ معصوم بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے شدتِ پیاس میں اپنی ایڑی رگڑی ایڑی کا رگڑنا تھا کہ یکایک پروردگار کی رحمت کو جوش آتا ہے اور اسی خشک زمین سے چشمہ زم زم نمودار ہو جاتا ہے سبحان اللہ محبوبِ خدا کے جدامجد کے قدم اقدس سے چشمہ آب جاری ہوا اور خود محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت اقدس سے پانی کا چشمہ نمودار ہوا۔ جب

حضرت ہاجرہ پانی سے ناامید ہو کر واپس آتی ہیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل کے قدموں کے نیچے چشمۂ آب جاری ہے۔ فوری شکر الٰہی بجالاتی ہیں اور چشمے کو آگے سے بند کر دیتی ہیں۔ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا ارشاد فرماتے ہیں کہ رحم فرمائے اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر اگر اس چشمہ کو آگے سے بند نہ کرتیں تو فیضانِ الٰہی سے وہ چشمہ پوری دنیا میں پھیل جاتا۔ جس کا بند کرنا بڑا مشکل ہو جاتا۔

دوستو! سیدنا حضرت خلیل علیہ السلام ایک تیز رفتار براق پر سوار ہو کر ہر ہفتہ مکہ معظمہ میں اپنے اہل وعیال کے پاس تشریف لاتے ان کی دیکھ بھال کر کے شام کو واپس ارضِ مقدس چلے جاتے۔ چند سال یہی طریقہ رہا جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تیرہ برس کے ہوئے تو آپ کی قربانی کا حکم ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں کسی کہنے والے نے کہا قم فقرب القربان لرب العالمین۔ پیارے اٹھو اور اپنے پروردگار کے نام پر قربانی کرو جب صبح ہوئی آپ نے ایک سو دُنبے پہاڑ پر لے جا کر ذبح کئے حسب سابق آگ آئی اور اسے آسمان کی طرف اٹھا کر لے گئی۔ دوسری رات خواب میں وہ ہی آواز آئی قُم فقرّب القربان لرب العالمین۔ صبح ہوتے ہی آپ نے ایک سو اونٹ خوب صورت موٹے تازے چُن کر پہاڑ پر لے جا کر ذبح کئے۔ پھر اسی طرح آگ آئی اور اٹھا کر لے گئی لیکن آپ عرفہ کی رات جب سوتے ہیں تو حکم ہوتا ہے قم فقرّب القربان لرب العالمین تو آپ نے عرض کی مولیٰ کس کی قربانی منظور ہے۔ حکم ربی ہوا وَلَدُکَ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ صبح اُٹھے تو دسویں ذی الحجہ کا دن تھا

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ آج پیارے اسمٰعیل علیہ السلام کے سر کو دھوؤ اور کنگھی کرو، تیل لگاؤ، عمدہ لباس پہناؤ، خوب سجاؤ، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ آج ہمیں اپنے دوست کی ملاقات کے لئے جانا ہے اس کے بعد فرمایا کہ اسمٰعیل علیہ السلام ایک رسی اور چھری بھی ساتھ لے لیں۔ رسی اور چھری لینے کی حکمت پوچھی گئی۔ فرمایا کہ شاید قربانی کی ضرورت پیش آجائے۔ تیار ہو کر حضرت ذبیح اور حضرت خلیل روانہ ہوئے۔ راستے میں چلتے ہوئے باپ بیٹے میں مکالمہ ہوا۔ حسین و جمیل بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پوچھا ابا جان ہمارے دوست کا گھر کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارا دوست گھروں سے پاک ہے۔ پھر پوچھا اے پدر بزرگوار کیا ہمارا دوست ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ۔ کہ وہ سب کو کھلاتا ہے مگر خود کھانے سے پاک ہے۔ جب کچھ راستہ طے کر چکے تھوڑا اور آگے بڑھے تو ابلیس لعین نے باپ بیٹے میں فتنہ ڈالنا چاہا۔ آج شیطان کا دل جل رہا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام اپنے بیٹے کی قربانی کر کے مرتبِ علیا سے سرفراز ہوں گے۔ درجات میں اضافہ ہو جائے گا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کے لقب سے ملقب ہو جائیں گے۔ اولاً شیطان ایک بوڑھے کی شکل بنا کر حضرت ہاجرہ کے پاس گیا۔ کہنے لگا اے ہاجرہ آج تمہارے لختِ جگر نورِ نظر آنکھوں کی ٹھنڈک حضرت پیارے اسمٰعیل کو ان کے باپ حضرت ابراہیم کہاں لے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے دوست کی ملاقات اور مہمانی کے لئے لے گئے ہیں۔ ابلیس لعین نے کہا نہیں، مہمانی وغیرہ کچھ نہیں وہ تو اسمٰعیل علیہ السلام کو صرف اور صرف اس لئے لے گئے ہیں کہ ان کے نازک چھوٹے سے حلقوم پر چھری چلا کر بارگاہِ خداوندی میں ذبح کریں۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا ایسا مشفق باپ ایسے حسین و جمیل چھوٹے سے اپنے پیارے بچے کو ذبح کر سکتا ہے۔ شیطان نے کہا کہ نہیں ان کا گمان ہے کہ ان کو ذبح کرنا حکمِ خدا ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا او ابلیس لعین اگر حکمِ خدا یہی ہے کہ پیارے اسمٰعیل کو ذبح کیا جائے تو پھر ہمارے لئے اس سے حسین تر

موقع کون سا ہوگا کہ ہم اس قربانی کو پیش کر کے بارگاہِ خداوندی میں تقرب حاصل کرلیں۔ ابلیس خبیث یہاں سے نا اُمید ہوکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اسمٰعیل کچھ معلوم بھی ہے آج تمہارا باپ تم کو کہاں لے جا رہا ہے۔ اس وقت اللہ کے مقدس نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بڑی ہی متانت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اپنے دوست کے یہاں کھانا کھلانے کے لئے۔ شیطان مردود نے یہاں بھی یہی زہر اُگلا کہ اے نادان پیارے اسمٰعیل نہیں۔ ایسا نہیں بلکہ یہ تجھے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ تمہارے ساتھ رسی بھی ہے چھُری بھی ہے۔ یہ کس کام میں آئے گی کیا دعوت کھانے میں بھی اس کی کوئی ضرورت پیش آتی ہے۔ نہیں یہ سب تمہارے ذبح کرنے کے انتظامات ہیں۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام پھر بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ نہیں ہم لوگ تو دعوت ہی کھانے جا رہے ہیں۔ اے بوڑھے شخص کیا حضرت خلیل جیسا مشفق و رحیم باپ اسمٰعیل جیسے حسین و جمیل خوب صورت لختِ جگر نورِ نظر کو اپنے ہاتھوں ذبح کر سکتا ہے۔ ابلیس لعین جو ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں اپنا حسد اُگل رہا تھا کہنے لگا پیارے اسماعیل تمہارے باپ ابراہیم کا گمان ہے کہ تمہارا ذبح کرنا حکمِ خدا ہے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میرا ذبح کرنا امرِ ربی ہے تو سبحان اللہ نہے قسمت تو کون ہوتا ہے جو دو خلیلوں کے درمیان خلل ڈالتا ہے۔

دوستو یہ وقت بھی بڑا عجیب وقت تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس چھوٹی سی عمر میں شیطان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ حکمِ خدا ہے تو یہ ایک جان ہے اسمٰعیل جیسی ایک ہزار جانیں بھی ہوں تو اللہ کے نام پر قربان۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ابتدائی ماحول میں یہ کس نے تعلیم دی۔ علامہ اقبال نے شاید اس کی منظر کشی یوں کی ہے ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

اب شیطان مردود بارگاہِ اسمٰعیل سے بھی سخت نا امید ہو کر واپس ہو جاتا ہے

اور اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب آگے بڑھتا ہے اور وہاں بھی اپنی پوری طاقت صرف کردیتا ہے اور کہنے لگتا ہے اے ابراہیم تو اپنے اس نورِ نظر کو محض ایک خواب کی بنیاد پر ذبح کرنا چاہتا ہے ذرا خوب سوچ لینا ایسا حسین وجمیل بیٹا پھر ہاتھ آنا بہت مشکل ہے۔ آپ نے فوری اس کی قلعی کھول دی، اور فرمایا جا ہٹ تو شیطان مردود ہے تیرا داؤ خدا کے نیک بندوں پر نہیں چلتا حضرت ابراہیم تیر استعاذہ کمانِ لاحول پر رکھ کے چھوڑتے ہوئے چند کنکر ہاتھ میں لے کر مارتے ہیں تو شیطان بھاگتا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کا یہ کنکریں مارنا اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے تمام حاجیوں کو کنکریں مارنا ضروری قرار دے دیا تاکہ میرے خلیل کی یہ سنت بھی ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک باقی اور جاری رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال ساتوں آسمان کے فرشتے ملاحظہ فرمارہے تھے اور بارگاہ رب ذوالجلال میں یوں داد دے رہے تھے سبحان اللہ نبیٌّ یقودُ نبیًّا۔ اللہ پاک ہے۔ ایک نبی دوسرے کو مشیتِ ایزدی میں ذبح کے لئے کھینچے جارہے ہیں۔ جب مقام منیٰ میں پہنچے تو اصلِ حقیقت اسماعیل علیہ السلام کے سامنے رکھتے ہوئے فرمایا یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ اس لئے فرمایا تاکہ فرزند ارجمند اطاعت الٰہی کے لئے برضاورغبت تیار ہوجائے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ اس میں حضرت اسمٰعیل کا کیا کمال تھا۔ ان کو بغیر بتائے زبردستی ذبح کردیا گیا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ اس وقت کیا ہی عمدہ جواب دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ۰ ابا جان حکم خدا بجا لائیے۔ اسماعیل تو ذبح ہوجائے گا اور اُف تک نہ کرے گا۔ باپ بیٹے کو اور بیٹا قربان ہونے پر کمربستہ ہوجاتے ہیں۔

دوستو! حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس وقت چند درخواستیں پیش کیں۔

(۱) میرے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ لینا تاکہ میں جان نکلتے وقت نہ تڑپوں اور

میرا خون آپ کے کپڑوں پر نہ لگ جائے اور پھر میں بے ادبوں میں سے ہو جاؤں (۲) بوقت ذبح میرا چہرہ زمین کی طرف رکھنا کہیں ایسا نہ ہو چھری چلاتے وقت آپ کی نظر میرے چہرے پر پڑے اور محبت پدری جوش میں آئے اور اطاعت خداوندی میں تقصیر واقع ہو جائے (۳) میری قمیص میری اماں جان کو دے کر میرا سلام کہہ کر آخری پیغام پہنچا دینا کہ تیرا لختِ جگر ایسے رحیم و کریم کے پاس چلا گیا ہے جو تجھ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ لہٰذا مقامِ افسوس و غم نہیں ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ہ جب باپ بیٹے نے اللہ کے حضور اپنی گردن جھکا دی اور بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا تو زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا آسمان میں شور ہو گیا کہ آج باپ اپنے پیکرِ حسن و جمال بیٹے کی گردن پر اپنے ہاتھ سے چھری چلا کر ذبح کرنے جا رہا ہے۔ آج باپ اپنی نظروں سے اپنے بیٹے کو جدا کر رہا ہے۔ آج حضرت ابراہیم پیکرِ صبر و رضا اور مجسمہ تسلیم و استقامت بن کر اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کر کے اپنی نظروں سے غائب کر رہے ہیں ؎

یارب کسی کا نخلِ تمنا قلم نہ ہو
سب دُکھ ہوں پر فراقِ پسر کا اَلم نہ ہو

جب حضرت ابراہیم کی وہ ننگی شمشیر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حلقومِ اقدس پر رکھی ہوئی تھی تو اس وقت حضرت اسمٰعیل پوچھتے ہیں کہ اے باپ خدا کے خلیل آپ زیادہ سخی ہیں یا میں تو آپ نے فرمایا کہ میں زیادہ سخی ہوں کہ اپنے پیارے آنکھوں کے تارے دل کے اُجالے کو ذبح کر رہا ہوں حضرت اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ نہیں میں زیادہ سخی ہوں اس لئے کہ آپ کے اور بیٹے بھی ہیں جن سے آپ دل بہلا سکتے ہیں میری صرف ایک جان ہے چلی گئی تو واپس نہیں آسکتی۔

یہ مکالمہ ابھی ہو ہی رہا تھا کہ رب کی رحمت کو جوش آتا ہے اور ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ اے ابراہیم نہ تو زیادہ سخی نہ اسمٰعیل۔ لیکن اَنَا اَسْخٰی مِنْکُمَا میں تم دونوں سے زیادہ سخی ہوں۔ کیوں کہ اے ابراہیم تیرا یہ لختِ جگر اسمٰعیل ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا

اور ثواب قربانی پاتا رہے گا اس کی جان باقی رکھوں گا اس کا ایک بال بھی بیکا نہ کروں گا۔ اور تیرے اس نور نظر کو ذبیح اللہ کا عہدہ عطا فرما دوں گا۔

الغرض اب حضرت ابراہیم علیہ السلام زور سے چھری چلاتے ہیں مگر چھری ایک بال بھی نہیں کاٹتی آپ چھری پر ناراض ہوئے اور بڑی زور کے ساتھ اس کو زمین پر مارا کہ تو کاٹتی کیوں نہیں۔ تو اس وقت چھری اپنی زبان حال سے عرض کرتی ہے کہ اے پیارے خلیل جب آپ نے نمرود کی اس بھڑکتی ہوئی آگ میں چھلانگ لگائی تھی تو آگ نے آپ کو کیوں نہ جلایا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آگ کو حکم الٰہی پہنچا تھا کہ وہ مجھے نہ جلائے۔ تو چھری نے کہا اے خدا کے خلیل آگ کو ایک دفعہ حکم الٰہی پہنچا کہ ابراہیم کو نہ جلانا اور مجھے ستر دفعہ حکم ہو چکا ہے کہ حلق اسمٰعیل کو نہ کاٹنا لہٰذا میں معذور ہوں۔

دوستو۔ اللہ صرف دل دیکھتا ہے اور اللہ صرف خلوص دیکھتا ہے سینوں میں چھپی ہوئی محبت دیکھتا ہے۔ اللہ نیتوں کے حال دیکھتا ہے شاید ایسے ہی موقع پر کوئی کہہ اٹھا

نہ صورت دیکھی جاتی ہے نہ سیرت دیکھی جاتی ہے

وہاں تو مانگنے والے کی نیت دیکھی جاتی ہے

باپ کی چھری بیٹے کی گردن پر رکھی ہوئی ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ہ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا بے شک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔

اللہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے جبرئیل بہشت میں جاؤ ایک دنبہ جو چالیس یا اسی ہزار سال سے چر رہا ہے اس کو لے آؤ اور اسمٰعیل کی جگہ اس دنبہ کو رکھ دو تاکہ میرا پیارا اسمٰعیل ذبح نہ ہونے پائے چنانچہ جبرئیل امین حکم الٰہی پاکر سدرہ سے جنت کی جانب بڑھتے ہیں اور وہاں سے وہی دنبہ لے کر اتنی تیز رفتار سے زمین پر تشریف لاتے ہیں کہ ابھی چھری دو فٹ کا فاصلہ بھی طے نہیں کر پائی تھی کہ آپ زمین منیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ اکبر یہ ہے رفتار جبرئیل کہ سکنڈ نہیں گزر پاتا کہ جبرئیل علیہ السلام ہزاروں سال کی مسافت طے کر لیتے ہیں اور حضرت اسمٰعیل کی جگہ دنبہ رکھ

دیتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل ایک طرف مسکرا رہے ہیں اور ان کی جگہ دنبہ ذبح ہو جاتا ہے اب اللہ نے پوری دنیا والوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سنت باقی رکھنے کے لئے ضروری قرار دے دیا کہ ہر سال ان کی ادا کو اپنائے اور ان کی سنت کو باقی رکھے تاکہ امت مسلمہ دنبہ کو ذبح کرکے قربانی کا ثواب حاصل کرسکے۔

اگر اللہ تعالیٰ دنبہ کا فدیہ نہ دیتا تو آج مسلمانوں کو اپنے بیٹوں کی قربانیاں پیش کرنی پڑتیں۔

آج عالم کے گوشے گوشے میں ہر سال ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو اسلام کے نام پر اپنی اس عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کی جاتی ہے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

حضرات یہ اللہ کے مقدس دوست اور اس کے خلیل وجلیل کی حیات طیبہ کے وہ مقدس نقوش ہیں ان کی قربانیوں کے یہ وہ انمول نتائج اور صلے ہیں ان کی آزمائش و امتحانات کے یہ وہ بے مثال مراحل ہیں کہ جن کو صبح قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی فراموش نہیں کرسکتی یہ وہ نایاب و نادر واقعات ہیں یہ خلیل وجلیل کے وہ انمول وانوکھے قصے ہیں کہ جو ابدتا ابد تاریخ کے صفحات قرطاس پر ستاروں کی مانند چمکتے رہیں گے اور ہر دور و ہر زمانے میں ملتِ ابراہیمی کا پرچم لہرانے والے اور ان کے مقدس دینِ متین پر چلنے والے حضرت ابراہیم کی ان مقدس قربانیوں اور ان کی حیرت انگیز داستانوں سے صدہا سبق اور ہزارہا نصیحتیں و عبرتیں حاصل کرتے رہیں گے صبح قیامت تک ملت ابراہیمی کے یہ واقعات بار بار دہرائے جاتے رہیں گے تاریخ کی اوراق گردانی ہوتی رہے گی اور کفر و شرک کی بھیانک تاریکیوں اور جہالت کی گھنگھور گھٹاؤں میں دربدر ٹھوکریں کھانے والی گناہ گار امت درس عبرت دیتی رہے گی ایسی صورت میں امت کے دردمندوں اور ملت کے نوجوانوں کو لازم ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی ان انوکھی قربانیوں اور ان کے ان رقت آمیز واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں اور ان کے نقش قدم کو اپنائیں انکی سیرت طیبہ کے مقدس گوشوں کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں اور اسلام پر مرمٹنے کا جذبہ خلیل و ذبیح کی مقدس تاریخ کو سامنے رکھ کر دہرائیں تا آج بھی ظلم و تشدد کی بھڑکتی آگ سے مسلمانوں کو نجات مل سکتی ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

محبّت اور فلسفۂ محبّت

نیّرِ فلکِ خطابت جامع معقولات و منقولات عالمِ نبیل فاضلِ جلیل

حضرت مولانا محمد علی صاحب رضوی صدر المدرسین مدرسہ حنفیہ قادریہ

امروہہ ——— مراد آباد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ——— بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات میرا عنوان ہے۔ محبت کیا ہے۔ محبت کیوں ہوتی ہے۔ محبت کس سے کرنی چاہیے۔ یہ تین سوال ہیں۔ جس کی پہلی کڑی ہے" محبت کیا ہے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ محبت کا لفظ جس قدر شہرت و مقبولیت کا استعداد حامل اور اس درجہ بدیہی و اجلی ہے۔ کہ جو عوام و خواص مرد و زن صغیر و کبیر عالم و جاہل اپنے اور بے گانے سبھی کی زبانوں پر شب و روز آتا رہتا ہے۔ اس کا اطلاق بہت ہی کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔ مگر بایں ہمہ شہرت و بداہت اس کے مفہوم و مصداق اور اس کے اطلاق و معانی میں اہل ذوق اور اہل محبت کا کافی اختلاف ہے سب کے خیالات جداگانہ ہیں سب کے تصورات مختلف ہیں سب کی ذہنی رائیں الگ الگ ہیں۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ سب کے خیالات میں سب کی راؤں اور تصورات میں ایک ظاہری تناقض اور تضاد نظر آتا ہے۔ اہل ذوق کے چند اقوال پیش خدمت ہیں سماعت فرمائیں۔

چناں چہ بعض نے کہا کہ محبت دیوانگی اور بے خودی کا دوسرا نام ہے محبت کا مفہوم بیخودی اور دیوانگی ہے اور محبت کی وہ اعلیٰ ترین منزل ہے یہ محبت کا وہ رفیع ترین مقام ہے یہ محبت کا وہ حسین و جمیل زینہ ہے کہ جن کو طے کرنے کے بعد جس پر فائز ہو جانے

کے بعد انسانی عروج وارتقار کے تمام مراحل ختم ہو جاتے ہیں بشری فلاح وبہبودی کے تمام زینے طے ہو جاتے ہیں۔ جدائی اور دوری کے تمام فاصلے مٹ کر اور فنا ہو کر رہ جاتے کامیابیوں اور کامرانیوں کی حدود اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں۔ لاعلمی اور بے شعوری کے تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں بلکہ اس مقام پر پہنچتے ہی معرفت الٰہی کے تمام تر دروازے کھل جاتے ہیں شعور وادراک کے تمام باب وا ہو جاتے ہیں بصارت وبصیرت میں وہ انکشاف وانجلا پیدا ہو جاتا ہے کہ بندہ عالم شہادت میں رہ کر ہر دم وہر گھڑی ہر آن وہر لحظہ ہر ساعت وہر لمحہ اپنے معبود حقیقی کے جلوؤں میں فنا اور گم ہو کر تجلیات ربانی کا نظارہ ومشاہدہ کرتا رہتا ہے بظاہر عالم اسفل میں رہ کر اس کی نگاہیں عالم بالا کی سیر کرتی ہیں وہ فرش زمین پر رہ کر عرش بریں اور لامکاں کی سرحدوں سے گزرتا ہوا نظر آتا ہے طبقات زمین کے تمام عجائبات اور ساتوں آسمانوں کے تمام غرائبات کو دیکھتا ہے لوح محفوظ کے خزانے اس کی نگاہوں کے روبرو ہوتے ہیں اپنے خالق ومالک کے جلوے اس کی نگاہوں میں بسے ہوئے رہتے ہیں وہ ہر لحظہ اپنے معبود حقیقی کے تصورات وخیالات میں فنا اور گم ہو کر عقل انسانی کو حیرت میں ڈال دینے والی مخلوق خدا کو تڑپا دینے والی ایسی ایسی حیرت انگیز رقت آمیز اور تعجب خیز صدائیں بلند کرتا ہے کہ اہل دنیا اس کے عقائد وایمان کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس کو لعن وطعن اور اعتراضات کا نشانہ بنا لیتے ہیں اس کی زبان سے ایسے ایسے جملے واقوال صادر ہوتے ہیں کہ اہل دنیا جس کی زبان سے نکلنے والے ہر قول کو پاگلوں کے قول پر محمول کرتے ہیں ایک مجنون اور دیوانے کی باتوں سے تشبیہ دیتے ہیں جب وہ اپنے رب کے تصورات وخیالات میں فنا ہو کر انا الحق کی صدائیں بلند کرتا ہے تب اس کو اہل دنیا اک دیوانے اور پاگل سے کم نہیں سمجھتے جب وہ عام شاہراہوں پر اِنّی اَنَا اللّٰہُ کے نعرے لگاتا ہے تب اہل بصارت اس کو مجنون اور لایعقل سے کم نہیں جانتے دنیا والوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھتی ہیں مگر اس کی نگاہیں کسی اور عالم کی سیر کرتی ہیں شاید اسی موڑ پر اس مفہوم کو ادا کرتے ہوئے اس کی منظر کشی شاعر نے یوں کی ہے کہ ؎

دیوانے کی نگاہوں کو جہاں دیکھ رہا ہے
دیوانہ خدا جانے کہاں دیکھ رہا ہے

اور بعض نے کہا ہے کہ محبت نام ہے دردِ دل کا، محبت نام ہے دل کی بے چینیوں کا، محبت نام ہے دل کی بے قراری کا، محبت نام ہے دل کے کرب و اضطراب کا کسی محب کے دل میں اپنے محبوب کی جانب سے جو درد اُٹھتا ہے ایک عاشق کے جگر میں اپنے معشوقِ حقیقی کی طرف سے جو سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے ایک طالب کے قلب نازک میں اپنے مطلوب کی جہت سے جو بے چینیاں انگڑائیاں لیتی ہیں ایک عبد صادق کے سینے میں اپنے معبودِ برحق کے عشق و محبت کی جو چنگاریاں کروٹیں بدلتی ہیں دل کی انہیں بے چینیوں اور بے قراریوں کا نام محبت ہے دل کی ان ہی کیفیات کا نام محبت ہے اسی مفہوم کو شاعر نے یوں ادا کیا ہے ؎

محبت کیسی ہوتی ہے محبت کہتے کس کو ہیں
جگر میں درد اٹھتا ہے تمنا دل میں ہوتی ہے

اور پھر اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے ستم بالائے ستم اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ اس درد کا علاج دنیا کے کسی ہسپتال یا کسی شفاخانے میں نہیں ہو سکتا اس درد کی دوا ہندوستان کے ماہرین اطبا یا یونان کے شہرہ آفاق حکما کے پاس نہیں مل سکتی بلکہ یہ بے چینیاں اور سوزشیں یہ بے قراریاں اور دھڑکنیں یہ بے کلی اور کرب و اضطراب ایک اور صرف ایک ہی شکل و صورت سے زائل ہو سکتی ہیں صرف ایک ہی حکمت سے انکا ازالہ ممکن ہے. تا وقتیکہ محب کو اپنے محبوب کی نزدیکی اور قرب نصیب ہو جب تک عاشق صادق کو اپنے معشوقِ حقیقی سے وصال کی لطافتیں اور لقائے حبیب کی لذتیں میسر نہ ہوں جب تک کہ محبوب و محب کے درمیان حائل ہونے والے تمام حجابات اٹھ نہ جائیں جب تک طالب کو اپنے مطلوب کے جلوے نظر نہ آئیں جب تک محب کو اپنے محبوب کے قدموں میں سر جھکانے کے لئے جگہ نہ مل جائے اور قدم بوسی کا موقع نہ مل جائے جب تک کہ اس کا محبوب و مطلوب بالکل بے حجاب و بے نقاب ہو کر اس کی آنکھوں کے

چشم خانوں میں رقص نہ کرنے لگے جب تک وہ اپنی چشم سر سے اس کا نظارہ و مشاہدہ نہ کرلے اس وقت تک اس کی یہ بے کلی ختم نہیں ہوسکتی اس کا یہ کرب و اضطراب زائل نہیں ہوسکتا اس کی یہ بے چینیاں اور سوزشیں کافور نہیں ہوسکتیں اس وقت تک اس کا یہ درد دور نہیں ہوسکتا مگر جیسے ہی محب اپنے بچھڑے ہوئے محبوب سے شانہ بہ شانہ دوش بدوش ملاقی ہوتا ہے جیسے ہی تمام پردے اور حجابات وا ہوتے ہیں جیسے ہی اس کو اپنے محبوب کی چوکھٹ اور اس کا در نصیب ہوتا ہے اور وہ وصال محبوب اور لقائے حبیب کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اس کی ساری کی ساری بے چینیاں اور سوزشیں تمام حزن و ملال اور رنج و غم دور اور زائل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ وہ اس وقت کیف و سرور اور فرحت و مستی کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔ اس کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں خوشیوں کے دریا اور مسرتوں کی لہریں موجزن ہو جاتی ہیں۔ اور اب حزن و ملال اور رنج و غم کو اس کے قریب سے بھی ہوکر گزرنے کے لئے کوئی راہ نصیب نہیں ہوتی یہ بھی طالب و مطلوب اور محبوب محب دونوں ہی کے لئے ایک بڑی ہی پر لطف و پر کیف ساعت ہوتی ہے۔ ایک بڑی ہی عجیب غریب اور انمول و نایاب گھڑی ہوتی ہے۔ ساری کائنات کے محسن اعظم سید المرسلین محبوب رب العالمین کی شب معراج کا سفر اس کی روشن دلیل اور واضح تفسیر ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت اس کی منظر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ؎

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

لقائے حبیب اور وصالِ محبوب

مگر محبت کی راہیں بڑی دشوار اور پیچیدہ ہوا کرتی ہیں۔ محبت کے مراحل بڑے پر آشوب اور پر خطر ہوتے ہیں۔ محبت کی راہیں بڑی شدید اور کٹھن ہوا کرتی ہیں محبت

کی راہوں میں بڑے پیچ وخم ہوا کرتے ہیں محبت محبت کی رٹ لگانا اور اس کے خطبے
پڑھنا بہت ہی سہل اور آسان ہے۔ مگر ایک محب کا محبت کی پیچیدہ اور پُرخطر وادیوں
کو اپنے نازنین قدموں سے روندتے اور پامال کرتے ہوئے اپنے محبوب تک پہونچنا
یہ ایک بڑا ہی کٹھن اور نازک مسئلہ ہے۔ محبت کے درد میں پہلو تہی کرنا اور کروٹیں بدلنا۔
محبت کے سوز و گداز میں پگھلنا اور اس کے درد میں بے چینی اور بے قراری سے تڑپنا
تو آسان ہے مگر محبت کی دشوار راہوں میں حائل ہونے والی بے شمار رکاوٹوں اور
موانع سے مقابلے کرتے ہوئے اس کے تمام مصائب و شدائد جھیلتے اور برداشت
کرتے ہوئے اپنے معشوق و محبوب کی دہلیز اور چوکھٹ پر پہنچکر اپنی جبینِ عقیدت اور
سرِ نیاز کو جھکا دینا یہی ایک اہم ترین کام اور سخت ترین منزل ہے۔ بالفاظ دیگر یوں
کہئے کہ عام شاہراہوں پر اور محبوب کی گلیوں میں انا الحق انا الحق کی صدائیں بلند کرنا اور
انی انا اللہ کے زبانی نعرے لگانا تو بہت آسان ہے۔ مگر اپنے معبودِ برحق اور خالق
و مالک تک پہنچنا یہ بہت دشوار ہے۔ یا رسول اللہ اور مصطفےٰ جانِ رحمت کی صدائیں
بلند کرنا تو سہل ہے مگر رسول اعظم کی لقا اور آقائے کائنات تک رسائی یہ ہر ایک کو
میسّر اور حاصل نہیں ہوتی۔ بغداد پہنچ کر غوث کی گلیوں میں اجمیر جاکر خواجہ کے کوچوں
میں یا غوث اور یا خواجہ کے نعرے بلند کرنا اور جھنڈے لہرانا تو بہت آسان ہے
مگر وصالِ غوث اور لقائے خواجہ یہ ہر ایک کا نصیب اور مقدر کہاں۔ شہر شہر
گلی گلی، کوچہ کوچہ، ڈگر ڈگر، نگر نگر یاحسین یاحسین کے نعرے بلند کرنا اور سینے کوبی کی
بھیانک صداؤں سے آسمانی فضاؤں میں شور و غل برپا کر دینا تو آسان ہے مگر حسین
کی سیرت اور ان کے کردار و عمل کو اپنانا پھر ان سے واصل اور لاحق ہو جانا بہت
دشوار ہے ؎

ایں قوت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وصالِ یار جیسی دولت بے بہا اور لقائے حبیب جیسی نعمت عظمیٰ کے حصول کے
لئے پہلے اپنے آپ کو مٹا دینا اس کے تصورات و خیالات اور اس کی ذات و صفات

میں گم اور فنا کر دینا لازم ہے۔ تب کہیں وصال محبوب کے جلوے نظر آتے ہیں، لقائے حبیب کی لذتیں محسوس ہوتی ہیں۔ تجلیات یار کی کرنیں اور شعاعیں پھوٹ پڑتی ہیں، شادمانیوں کے دریا بہنے لگتے ہیں اور لطافتوں کے سمندر موجزن ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ ایک طالب صادق اور عاشق کامل کو اپنے مطلوب و معشوق کے عشق و محبت میں فنا ہو جانے کے بعد ہی بقا نصیب ہوتی ہے۔ ایک محب حقیقی کو اپنے محبوب حقیقی کی الفت و محبت میں سرشار ہو کر اور تڑپ تڑپ کر مر جانے کے بعد ہی اس کی حیات کا ایک رنگین اور نئے دور کا آغاز ہوا کرتا ہے ؎

ہے ابتدا ہماری تیری انتہا کے بعد ؎ دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد

اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد محب کی زندگی میں چار چاند لگ کر رہ جاتے ہیں اس کی حیات میں ایک انقلابِ عظیم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اب اس کی زندگی اس درجہ اور اس حد تک روشن و منور اور درخشندہ و تابندہ ہو جاتی ہے۔ زیور ثبات و استقلال سے اس طرح مزین اور آراستہ و پیراستہ ہو جاتی ہے کہ شمس و قمر کی روشنیاں اس کے مقابلے میں مدہم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انجم و کہکشاں شرم و حیا سے سر جھکا دیتے ہیں اور وہ بقائے دائمی اور حیات جاودانی سے اس طرح نواز دیا جاتا ہے کہ ساری دنیا اس کے در سے حیات و بقا کی بھیک مانگتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بڑے شاہان زماں اور سلاطین وقت کی گردنیں اس کی چوکھٹ پر خم ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ بڑے بڑے رستم زماں اور مغرور و متکبرین اس کے در و بام کے قرب و جوار اور ارد گرد رقص کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دنیا کی تمام تر طاغوتی طاقتیں اس کے روبرو جھکتی ہیں۔ مگر اب وہ کسی طاقت کے سامنے جھکتا ہوا نظر نہیں آتا۔ بلکہ وہ دار و رسن پر چڑھ جانے کے بعد بھی اپنی حیات و بقا اور اپنے محبوب کی الفت و محبت کے نعرے ہی لگاتا ہوا نظر آتا ہے اور دنیا والوں کو یہی سبق اور درس دیتا ہوا دارِ فانی سے کوچ کرتا ہے کہ ؎

زندہ باد اے جذبۂ حب رسالت زندہ باد
دار پر چڑھ کر بھی یہ نعرہ لگا سکتے ہیں ہم

غرض کہ اک عاشق کو معشوق کے قدموں میں پہنچنے کے بعد ہی سکون نصیب ہوتا ہے. محب کو اپنے محبوب کے در پر سر جھکانے کے بعد ہی راحت ملتی ہے طالب کو مطلوب کے دربار میں پہنچنے کے بعد ہی قرار آتا ہے بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ اک سچے عاشق رسول کو سکون وچین تب ہی ملتا ہے جب کہ وہ سرزمین بطحا پر پہنچ کر مدینۃ الرسول میں حاضر ہو کر گنبد خضری کی سنہری جالیوں اور اس کے حسین وجمیل منظر اور پُر کیف و پُر کشش بہاروں کا نظارہ کرلے اک غوث وخواجہ کے دیوانے کے دل کی دھڑکنیں اور اس کے دل کا درد اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو غوث وخواجہ کے دربار میں سر جھکانے کا موقع نہ مل جائے اس کے سوا اس کا کوئی علاج ہی نہیں ؎

درد والم کے مبتلا جس کی نہ ہو کہیں دوا دیکھے وہ شانِ مصطفٰے آپ کے در پہ آئے تو

ط میرے دردِ دل کی دوا غوثِ اعظم

اور بعض نے کہا ہے کہ نہ محبت جنون اور پاگل پن کا نام ہے اور نہ محبت دردِ دل کا نام ہے. بلکہ محبت نام ہے دردِ دل کی دوا کا جو چیز دل میں پیدا ہونے والے درد کو ختم کر دے جس سے دل کی بے چینیاں جاتی رہیں جس سے دل کی بے کلی اور اس کا کرب و اضطراب زائل ہو جاتا ہے دل کی ایسی کیفیت کا نام محبت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ محبت نہ جنون و پاگل پن کا نام ہے نہ درد دل اور اس کی دوا کا نام محبت ہے بلکہ محبت ایک شعلہ ہے محبت اک آگ ہے محبت اک ایسی چنگاری ہے جو خود بخود پیدا ہوتی ہے. پیدا کرتے نہیں یہ وہ قدرتی عطیہ اور ربانی فیض ہے جو یک بیک ملتا ہے محنت سے نہیں.

یہ وہ روشن آگ اور درخشاں شعلہ ہے کہ جو کسی شخص آخر کے جلانے سے نہیں جلتا کسی کے روشن کرنے سے روشن نہیں ہوتا. بلکہ ؎

محبت ہو ہی جاتی ہے محبت کی نہیں جاتی

یہ شعلہ خود بھڑکتا ہے بھڑکایا نہیں جاتا

دائرۂ محبّت

ابھی کافی اقوال باقی ہیں مضمون کی طوالت کے سبب انہیں پر اکتفا کرتا ہوں۔ ہاں اتنا ضرور ہے یہ تو اپنے اپنے خیالات ہیں اپنے اپنے ذہنی تصورات ہیں یہ اپنی اپنی ایجاد کردہ راہیں ہیں ؎

سبوح اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا ؛ کئے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا

لیکن۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ چاہے محبّت جنون اور پاگل پن کا نام ہو یا دیوانگی کا چاہے محبّت دردِ دل کا نام ہو یا اس کی دوا کا چاہے محبّت آگ اور شعلوں کا نام ہو یا چنگاریوں کا چاہے محبّت دل کی بے چینیوں اور سوزشوں کا نام ہو یا کرب و اضطراب کا مگر اس میں ادنیٰ سے ادنیٰ اور ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کہ محبّت کا میدان اس قدر کشادہ ہے محبت کا دامن اتنا طویل و عریض ہے۔ محبت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے اور محبّت کے مراحل و منازل اتنے لمبے ہیں کہ جس کی وسعت و کشادگی کا اندازہ لگانا جس کی حدود کو جاننا جس کی مسافتوں کی پیمائش کرنا یہ طاقتِ انسانی سے بالاتر ہے۔ بلکہ جب کسی بھی مقام پر یہ محبت اپنا شامیانہ تانتی ہے۔ جب کسی مقام پر یہ اترتی ہے تو اس مقام کا دامن اس کے لئے تنگ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر یہ زمین پر اتر پڑے تو زمین کی وسعتیں اس کے لئے ناکافی ہو جائیں۔ اگر یہ آسمانوں پر اپنا شامیانہ تان لے تو آسمان کی بلندیاں اس کو اپنے دامن میں نہ سما سکیں۔ اگر یہ پہاڑوں پر رونما اور جلوہ فگن ہو جائے تو پہاڑوں کی رفعتیں اس کی بار برداری نہ کر سکیں۔ عالم اسفل یا عالم بالا کے کسی بھی گوشے اور خطے میں اگر یہ پناہ لینا چاہے تو کوئی اس کو دامن میں پناہ دینے کے لئے تیار نہ ہو سکے۔ بلکہ جب ان سب سے خلاق ارض و سما نے کہا تھا کہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ ۰ اے آسمانوں

نے زمینو! اے پہاڑو ہم اپنی ایک امانت تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں کیا تم ہماری اس امانت کی باربرداری کر سکتے ہو کیا تم ہماری اس امانت کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہو تو سب نے مل کر کہا تھا کہ الٰہی ہم اس وسعت و طوالت کے باوجود اس قوت و توانائی کے باوجود ہم تیری اس امانت کی باربرداری نہ کر سکیں گے۔

معلوم یہ ہوا کہ محبت یہ وہ قدرتی عطیہ ہے۔ یہ وہ خدا داد امانت ہے کہ اگر یہ اپنے بازوؤں کو پھیلا دے تو زمین کی وسعتوں میں نہ سما سکے آسمانوں کی رفعتوں میں نہ سما سکے۔ پہاڑوں کی بلندیوں میں نہ سما سکے۔ غرض کہ ساری دنیا اس کے لئے ناکافی ہے اور جب یہ ساری کائنات میں نہیں سما پائی تو کبھی کبھی تمام مکانیات سے صرف نظر کر کے زمین کی وسعتوں کو پار کرتی ہوئی آسمانوں کی بلندیوں سے گزرتی ہوئی اپنا سفر لامکاں کی طرف شروع کر دیتی ہے اور لامکاں کو اپنا مسکن بنا لیتی ہے اور ایک محب اپنے محبوب سے لامکاں میں پہنچ کر وصال محبوب اور لقائے یار کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو جاتا ہے ؎

قفس کی تیلیوں سے لے کر شاخ آشیاں تک ہے
میری دنیا یہاں سے ہے میری دنیا وہاں تک ہے

مگر جب یہ اپنے بازوؤں کو سمیٹتی ہے۔ جب اپنے پیروں کو موڑتی ہے تو انسان کے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کے اندر پناہ گزیں ہو جاتی ہے۔ اک ادنیٰ سے گوشت کے ٹکڑے کے اندر سما جاتی ہے اور یہی ہماری زندگی کا وہ انمول صلہ ہے۔ یہی وہ انمول اور انوکھی دولت اور نایاب نعمت ہے جس کے اندر کائنات کی تمام نعمتیں اور دولتیں سمائے ہوئے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ جس کے پاس یہ نعمت عظمیٰ اور یہ دولت بے بہا نہیں اس کے پاس کچھ نہیں۔ اور جس کے پاس اللہ اور اس کے محبوب کی محبت ہے دنیا کی تمام دولتیں اور کائنات کے تمام خزانے اس کے پاس موجود ہیں۔ اسی کی منظر کشی شاعر نے یوں کی ہے ؎

ان کا خیال ان کی محبت لئے ہوئے
بیٹھا ہوں کائنات کی دولت لئے ہوئے

شہادتِ عظمیٰ

فاضل جلیل حضرت مولانا مولوی حافظ وقاری محمد ریاست علی نعیمی رضوی رامپوری فاضل جامعہ علیہ الرحمہ
(سابق مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ وسرپرست اعلیٰ انجمن رضائے حبیب جامعہ نعیمیہ مرادآباد یوپی)

تری الفت میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں
ترے کوچے میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں

کائنات کی اس وسیع فضا میں جب سے حضرت آدم نے رخت اقامت ڈالا ہے اور نیلگوں آسمان کے سائے میں جب سے دنیا کو آباد ہونا نصیب ہوا ہے۔ سورج کتنی بار مشرق سے نکل کر مغرب میں غروب ہوا چاند نے اپنے مہینے بھر کا سفر ہزاروں بار طے کیا ستارے لاکھوں بار رات کی تاریکی میں چمکے اور صبح کی روشنی میں غائب ہو گئے۔ اولاد آدم کے باغ میں کتنی بار بہار آئی لیکن مختلف عناصر ہمیشہ برسر پیکار رہے۔ طرح طرح کے انقلاب آئے تہذیب وتمدن نے چولے بدلے ہزاروں خونی معرکے وجود میں آئے اور بار بار تلواروں کی چمک نے فتح کے نقارے بجائے۔ زمین وآسمان کے درمیان کتنے خونی لالہ زار معرکے رونما ہوئے دنیا میں جنگ کے کیسے کیسے تلاطم برپا ہوئے۔ انسانی قربانیوں سے کتنے خون کے دریا بہے ملک کے ملک نیست ونابود ہو گئے۔ آبادیاں ویران بن گئیں۔

دنیا کے عجائب خانوں میں کیا کیا نہ ہوا۔ کتنی ماتم کی مجلسیں برپا ہوئیں۔ کہیں پر تلواروں کی بارش ہو رہی ہے۔ کہیں آگ کے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے کہیں انسانی جسموں پر گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں کہیں پر برچھی اور بھالے سے انسانیت کا جنازہ نکالا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہوا، اور ہوتا ہی رہتا ہے۔ آج بھی تہذیب وتمدن کے دور میں تلواروں کی نوکیلی فضائیں صبر نہ کر سکیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان کروڑہا قربان گاہوں میں کس کا

رنگ سب سے گہرا ہے۔ اور کون سا معرکہ سب سے بڑا اور صعب ترین کہا جا سکتا ہے یوں تو ہر مرنے والے کے لئے بہت سے رونے والے ہوتے ہیں، جو پوری پوری عمریں سوگ میں کاٹ دیا کرتے ہیں۔ کوئی تابِ فراق نہیں لاتا کوئی جلتی آگ میں بیٹھ کر اپنی جان دے دیتا ہے۔ کوئی بیوہ ہو کر بے کسانہ حسرت کی زندگی بسر کرتی ہے۔

کوئی یتیم ہو کر خستہ حالی میں رنج وغم کے ساتھ دن کاٹتا ہے کسی کی موت پر بازار بند کئے جاتے ہیں کسی کی موت پر ہڑتالیں ہوتی ہیں۔ لیکن یاد رکھئے ہر سوگ اور ہر غم کے لئے کوئی نہ کوئی یوم اختتام ضروری ہے کبھی نہ کبھی وہ ختم ہو ہی جاتا ہے۔ اور دنیا اس کو ایسا فراموش کرتی ہے۔ کہ تاریخ کے صفحات کے سوا اس کا کہیں پتہ اور نشان تک نہیں ملتا۔ سب سے بڑا معرکہ اور جنگ عظیم وہی ہے جس کا صدمہ عام ہو۔ ہر شہر، ہر صوبہ، ہر ملک، اور ہر اقلیم میں اس کے رنج وغم کا احساس کیا جائے۔ سننے والوں کے دلوں پر جو زخم پیدا ہوا ہو وہ کبھی مندمل نہ ہو سکے۔ ساری دنیا اس داستان کو سن کر بے چین ہو جائے اور قیامت تک آہ و زاری اور اشک باری کے سلسلے لگاتار جاری رہیں۔

زمینِ کربلا پر مصطفےٰ کے نواسے، علی کے لاڈلے، اور خاتونِ جنت کے نونہالوں نے خونی حرفوں میں جو درد و غم کی دردناک داستانیں پیش کی ہیں۔ اہلِ ایماں ان نقوش کو محو کرنے سے عاجز ہیں۔ کتنی بارشیں ہوئیں مگر یہ خونی داغ نہ دُھلے، زمانے نے کتنے پلٹے کھائے قاتلوں کی نسلیں تک نیست و نابود ہو گئیں۔ ان کے تاج و تخت کے دعوے اور سلطنت کے گھمنڈ و غرور کب کے کب خاک میں مل گئے ان کی خاک کے ذرے ذرے ریزہ ہو کر بے نام و نشان ہو گئے مگر شہدا کی جاں بازیاں آج بھی عالم کی آنکھوں سے خونی اشکوں کا خراج وصول کر رہی ہیں دنیا سوگوار ہے۔ جہاں ماتم کر رہا ہے۔ ہر طبیعت غم سے پژمردہ ہر دل درد سے افسردہ ہے۔ وہ کون سا بے درد ہے جس کا سینہ اس غم سے پاش پاش نہیں ہو گیا۔ وہ کون سا بے رحم ہے جس نے دل کو چاک نہیں کر ڈالا۔ وہ کون سا بے غیرت ہے جس کے دھڑکتے ہوئے دل میں یادِ حسین نہیں ہے اے آسمان اگر تو بھول گیا ہو تو بھول جا داستانِ حسین کو۔ اے زمین تیرے دل میں محبتِ حسین کی شمع روشن نہیں تو تو جان۔ اے

ستاروں کی قندیلو تم نے اگر رسول کے گھرانے کی ان نفوسِ قدسیہ کی قربانیوں کو فراموش کر دیا تو تم سمجھو۔ اے نیلگوں آسمان پر رقص اور گردش کرنے والے آفتاب و ماہتاب اگر تم نے حسین کی وہ دل دوز اور دل سوز داستانیں حسین کے وہ رنج والم اور حزن وملال سے لبریز خونی واقعات بھلا دیئے ہوں تو بھلا دیئے ہوں لیکن یاد رکھنا جن کے دلوں میں حرارت ایمان ہوگی۔ جن کے سینوں میں آقائے دوجہاں کی محبت ہوگی۔ جن کی پیشانیاں خدا کے حضور جھکتی ہوں گی جن کے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں پانچوں وقت دعا کے لئے اٹھتے ہوں گے جن کے چہروں سے نورانی شعاعیں ٹپکتی ہوں گی۔ جن کے قلوب میں مچلتے ہوئے محبت رسول کے شرارے ہوں گے۔ وہ صبح قیامت تک حسین کی قربانیوں کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔

بڑے ہی تعجب کی بات ہے اس کرۂ ارض پر اور اسی نیلگوں آسمان کے شامیانے کے نیچے نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حسین کی شہادتِ عظمیٰ کو ناقص قرار دے رہا ہے۔ جو حسین کی عظمتوں کے خلاف ناپاک زبانوں سے ناپاک نعرے بلند کر رہا ہے۔ جو حسین کی اس انمول شہادت کا رنگ دبانا چاہتا ہے اور یزید کی محبت میں آکر یزید پلید کو ولی اللہ اور امیر المؤمنین ثابت کرنے کی بے جا کوشش کر رہا ہے۔

دوستو میں تو صرف یزید کے ان حواریوں سے اتنا کہوں گا کہ میرے آقا حسین کی عظمت و سربلندی تک تمہارے طعن و تشنیع کے یہ زہر آلود تیر قیامت تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ لوگ جتنی چاہیں مخالفت کریں مگر شہادتِ حسین کا رنگ اور زیادہ نکھرتا جائے گا۔

خونِ حسین کی سرخی میں مزید حسن بڑھتا ہی جائے گا۔ شاید ایسے ہی موقع کی عکاسی شاعر اپنے انداز میں یوں کرتا ہے۔

اس راز سے واقف ہیں زمانے والے
زندہ ہیں محمد کے گھرانے والے
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے آخر
شبیر تیرا نام مٹانے والے

دشمنانِ حسین کے ظلم لکھتے لکھتے کچھ تو ٹوٹ گئے اور کچھ ٹوٹ جائیں گے۔ ان کی زبانیں جھوٹ کو سچ ثابت کرتے کرتے کچھ تو خوش ہو گئیں اور کچھ خاموش ہو جائیں گی لیکن رسول کے پیارے نواسے علی کے لاڈلے فاطمہ کے لال کا نام ہمیشہ زندہ و تابندہ و درخشندہ رہے گا۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ وہ ظلم ابن زیاد کا
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

ہر دور کا دیانت دار اور حق پرست انسان سید الشہداء حضرت امام عالی مقام کے حضور خراجِ عقیدت و محبت پیش کرتا ہی رہے گا۔ واقعۂ کربلا کو جس قدر دبایا جائے گا اسی قدر شہرت پذیر ہوتا جائے گا دنیا جانتی ہے اور جانتی رہے گی زمانے نے ہزاروں کروٹیں بدلیں لیکن حقیقت تبدیل نہ ہو سکی حق کا انکار کیا گیا مگر حق حق ہی رہا۔ باطل کو نوازا گیا مگر باطل باطل ہی رہا ظلم و ستم کو عدالت کا نام دینے والے فنا ہو گئے لیکن ظلم کو عدل ثابت نہ کر سکے۔ عظمت حسین کا اندازہ کرنے والے مٹ گئے لیکن حسین کی عظمتوں کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔

کون حسین؟ وہ ہی حسین۔

جنہیں رسول خدا کی تصویر ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں صدیق کی صداقت کا پیکر ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں فاروقِ اعظم اشداء علی الکفار کی شمشیر برہنہ ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں رحم و کرم میں ذی النورین کا مظہر اتم ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں باطل شکنی میں ذوالفقار یداللّٰہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جنہیں اسلام کا محسن اور قرآن کا محافظ ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں پاسبانِ شریعت اور شہید اعظم کے لقب ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔

جنہیں دوشِ رسول کا راکب اور خاتونِ جنت کا لختِ جگر ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں سید الشہداء اور نوجوانانِ جنت کا سردار ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں آبروئے اسلام اور دین کا نگہبان ہی کہا جاتا ہے۔

جنہیں آفتابِ شریعت اور قرآن کی تفسیر ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں علی کا جگر پارہ اور فاطمہ کا دلارا ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں خدا کا محبوب اور کربلا کا مظلوم ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں مدینے کی بہار اور قدرت کی تلوار ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں مملکتِ حق وصداقت کا تاج دار اور شہیدوں کا امام ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں حیدر کا رشکِ قمر اور زہرا کا نورِ نظر ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں گلشنِ اسلام کی بہار اور صبر و رضا کا شہر یار ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں مہرِ نبوت کا سوار اور روشنی کا مینار ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں مطلعِ انوار اور محمد عربی کے دل کا قرار ہی کہا جاتا ہے۔
جنہیں خالقِ کائنات کا عظیم شاہکار اور شہیدانِ محبت کا قافلہ سالار ہی کہا جاتا ہے۔

لوگ جانتے ہیں اور جانتے رہیں گے، لوگ مانتے ہیں اور مانتے رہیں گے کہ خونِ حسین کے انوار و تجلیات نے کرب وبلا کی سرزمین کو جنت کا ٹکڑا بنا دیا۔ ذروں کو آفتاب کر دیا۔ کنکروں کو در بنا دیا ہے۔ موت کو زندگی میں تبدیل کر دیا۔ قلبِ مومن سے ہمیشہ یہ صدا اُٹھتی رہے گی ؎

دشت کربلا کو عرش کا زینہ بنا دیا — جنگل کو مصطفےٰ کا مدینہ بنا دیا
ہر ذرہ کو نجف کا نگینہ بنا دیا — تو نے حسین مرنے کو جینا بنا دیا
چھوا جو کنکروں کو تو دُر بنا دیا — آیا جو قیدی سامنے تو حُر بنا دیا

الغرض اہلِ ایمان کے دلوں سے حسین کی یاد نہ کبھی گئی ہے نہ کبھی جائے گی۔ ہمارا دل محبتِ حسین کا مدینہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والو اگر رسول سے محبت کرنا ہے تو رسول کی ہر ہر اَدا سے محبت کرنا ہوگی۔ رسول کے محبوبین سے محبت کرنا ہوگی، رسول کے اہلِ بیت سے محبت کرنا ہوگی یہ کسی مضمون نگار کا خیال نہیں۔ یہ کسی داستان گو کا تصور نہیں بلکہ امام الانبیاء کا اپنا فرمان ہے الحسین منی وانا من الحسین من احب الحسن والحسین فقد احبنی ومن یبغضھما فقد ابغضنی۔ حسین مجھ سے

ہیں اور میں حسین سے ہوں اور جس نے میرے حسن وحسین سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اے لوگو میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک تو قرآن اور دوسرے میرے اہل بیت اگر تم ان دونوں کا دامن تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ قرآن اور میرے اہل بیت ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ان کا راستہ کبھی الگ نہ ہو گا حتیٰ کہ حوض کوثر پر بھی یہ دونوں اکٹھے ہو کر ہم سے ملاقات کریں گے۔

محترم حضرات ! محمد عربی کے اس فرمان عالی شان میں ایک لطیف نکتے کی نشان دہی ہوتی ہے ایک خاص الخاص راز سے پردہ اٹھتا ہے۔ قیامت کے دن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پورے میدان محشر میں جلوہ گری ہو گی مقام محمود پر آپ تشریف فرما ہوں۔ جنت کے دروازوں کو آپ کھول رہے ہوں گے عرش الٰہی کے سامنے آپ سجدہ ریز ہوں گے پل صراط پر آپ اپنی امت کو گزار رہے ہوں گے۔ لوا الحمد خدا کی تعریف کا پرچم آپ کے ہاتھوں میں ہو گا۔ انبیاء کرام کی قیادت آپ فرما رہے ہوں گے رب کائنات کے حضور اپنی امت کی سفارش وشفاعت آپ فرما رہے ہوں گے۔ لوگوں کے اعمال وزن کرنے کے لئے میزان پر آپ ہوں گے۔ امت کے دوزخیوں کو آپ دوزخ سے نکال رہے ہوں گے۔ اپنی گنہ گار امت کا جہنم میں داخلہ روکنے کے لئے مالک فرشتۂ دوزخ سے محو گفتگو آپ ہوں گے۔ جگہ جگہ آپ کی رسائی ہو گی، چپہ چپہ پر آپ کی پہنچ ہو گی۔ ذرہ ذرہ پر آپ کی حکومت ہو گی۔ جہاں چاہیں گے آپ پہنچ جائیں گے۔ عرصہ محشر کا کوئی مقام بھی ایسا نہیں ہو گا جہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ قوتوں کا ظہور نہ ہو گا۔

تو پھر کیا وجہ تھی کہ آپ نے اہل بیت اور قرآن کے لئے فرمایا کہ یہ دونوں حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔ اس میں کیا مصلحت تھی اس میں کون سا راز تھا۔ اس میں کون سی خاص حکمت پوشیدہ تھی کہ پورے میدان محشر میں قوت مصطفائی کا ظہور

ہونے کے باوجود آپ نے قرآن اور اہل بیت اطہار سے ملاقات کے لئے حوض کوثر ہی کو مخصوص فرمایا تو یاد رکھنا کہ ماضی اور مستقبل کی خبر دینے والے آقا ظاہر و باطن کو جاننے والے رسول غیب کی خبریں دینے والے نبی دل کی دھڑکنوں کو محسوس کرنے والے پیغمبر دنیا کو پہلے ہی بتا دینا چاہتے ہیں۔ مستقبل کے ان پردوں کو پہلے ہی چاک کر دینا چاہتے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ؟ جو علم رسول پر طرح طرح سے حملہ کرنے میں شب و روز سرگرداں رہتے ہیں، اے غیب داں رسول کے علم ما کان و ما یکون سے انکار کرنے والو سنو، اے پیغمبر اعظم کے علم لدنی پر حملہ کرنے والو سنو، اے رسول مدنی کے بے پناہ علوم و فنون کو ابلیس لعین اور ملک الموت کے علم کے مقابلے میں کم اور ناقص قرار دینے والو، سنو۔ اے خدا کے نائب اعظم کے علم غیب کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دینے والو، سنو۔ رسول اعظم کو پیٹھ پیچھے کی خبر سے بے خبر کہنے والو، سنو۔ آؤ آؤ عدل و انصاف اور حق و صداقت کا دامن مضبوطی سے تھام کر اور تعصب کی عینک اتار کر چشمان ایمانی سے حدیث رسول کا مطالعہ کرو۔ نگاہِ محبت سے رسول اعظم کی تاریخ کی ورق گردانی کرو۔ قول نبی کی حکمت آفرینی کی باریکیوں سے رسول عربی کے علم غیب کا جائزہ لو۔ میرے آقا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے آب دار کلمات کو بغور پڑھو۔ خدا کی قسم حرارتِ ایمانی مچل اٹھے گی۔ غیب داں رسول شہادتِ حسین کی پیشین گوئیاں پہلے ہی فرما رہے ہیں۔ سنو میرے آقا نے قرآن اور اہل بیت سے ملاقات کے لئے حوض کوثر کو اسی لئے مخصوص فرمایا تھا نگاہِ نبوت دیکھ رہی تھی کہ کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں کربلا کے لالہ زار میدان میں فسق و فجور کی تاریکیوں میں ظلم و تشدد کی اندھیریوں میں نیزے اور برچھیوں کے بیچ میں خنجر و شمشیر کے جھرمٹ میں ظالم و جابر کی حکمرانی میں نینوا کی خارزار وادیوں میں جوانان اہل بیت کے ساتھ میرے حسین کو پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔ شدت کی گرمی میں تین دن کی شدید پیاس سے علی اکبر کے ہونٹ خشک ہو چکے ہوں گے۔ ننھے علی اصغر کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو چکا ہوگا۔ سکینہ کی پیاس کی شدت سے آنکھیں اُبل رہی ہوں گی زینب و کلثوم کو گرم گرم لو کے تھپیڑوں سے بار بار غش آ رہا ہوگا۔ عون و محمد کی روحیں پانی کے ایک ایک

قطرے کو ترس رہی ہوں گی قاسم و عباس کے حلقوم پیاس کی جلن سے تپ رہے ہوں گے فرزندانِ عقیل و جعفر و علی کو پانی کی سخت ضرورت ہوگی۔ خنجر جفا کے دھارے کے نیچے ظہر کی نماز تیمم سے ادا کرنے والے حسین کو عصر کی نماز ادا کرنے میں وضو کرنے کے لئے پانی کی سخت ضرورت ہوگی ان حالات میں ضروری تھا کہ کربلا کے پیاسے شہیدوں کا استقبال کوثر و سلسبیل کے جام ہاتھوں میں لے کر کیا جاتا۔

دوستو یہی تو ایک مقصد تھا۔ یہی تو ایک وجہ تھی کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن اور میرے اہل بیت ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ اور اکٹھے ہو کر حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔ میرے نبی کو معلوم تھا کہ حسین کے سوکھے گلے پر یزید کے ظلم و تشدد کی تلوار چلے گی میرے نبی کو معلوم تھا کہ حسین کو نینوا کے میدان میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ قرآنی احکام کو توڑنے والی حکومت سے پنجہ آزمائی کرنا پڑے گی۔ میرے نبی کو معلوم تھا کہ حسین کو تین دن بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر کربلا کی بے آب و گیاہ زمین پر عظمت قرآن کی بقا کی خاطر جانیں دینا پڑیں گی میرے نبی کو معلوم تھا کہ ظلم و بربریت اور فسق و فجور کی بھیانک تاریکیوں میں زندگی بسر کرنے والے تنگ نظر میرے حسین کے لئے پانی بند کر دیں گے۔ میرے نبی کو معلوم تھا کہ میری امت کے شریر ظالم و جابر فاسق و فاجر میرے حسین کے مقدس ہاتھ کو اپنے ناپاک ہاتھ میں لینا چاہیں گے۔ میرا حسین سر تو دے دے گا مگر ہاتھ نہ دے گا۔ تبھی تو سلطان الہند خاندانِ چشت' اہلِ بہشت خواجۂ خواجگان معین الملۃ والدین چشتی سنجری اس فرمان عالی کو سلک نظم میں پرو کر کیا ہی خوب ارشاد فرماتے ہیں ؎

سر داد، نہ داد دست، در دست یزید ؎ حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

محترم حضرات! امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عظمت قرآن کے تحفظ کی خاطر حجرۂ فاطمی کی بہاروں کو چھوڑ کر دشتِ نینوا میں آکر ببانگِ دہل اعلان کر دیا کہ حسین اپنا سر تو دے دے گا لیکن قرآنی احکام پر ذرا آنچ نہ آنے دے گا۔ حسین اپنے ننھے ننھے بچوں سے جدائی تو گوارہ کر سکتا ہے مگر قرآن کا ساتھ چھوٹ جائے یہ کبھی گوارا

نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ سیدالانبیاء ارشاد فرما چکے ہیں۔ کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اهل البیت ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔ یہی وجہ ہے کہ حسین قرآن کے ساتھ تھے قرآن حسین کے ساتھ تھا حسین و قرآن کا ہمیشہ ہمیشہ آخری لمحات تک چولی دامن کا ساتھ رہا۔ دشتِ کربلا میں دو قرآن دوش بدوش تھے ایک قرآن خاموش تھا اور ایک قرآن ناطق تھا حسین بھی قرآن تھے اور قرآن بھی قرآن۔ ایک قرآن نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول فرمایا تھا۔ اور ایک قرآن دوشِ رسول کا راکب بنا تھا۔ عاشق کیرانوی کہتا ہے ؎

ایماں حسین مرکزِ ایماں حسین ہیں
دوشِ نبی کی رحل کا قرآں حسین ہیں

حسین کی عظمت کا اعلان قرآن نے کیا۔
قرآن کی عظمت کا علم حسین نے بلند کیا۔
حسین کا احترام قرآن نے بتایا۔
قرآن کا احترام کر کے حسین نے دکھایا۔
حسین سے محبت کرنے کا اعلان قرآن نے کیا۔
قرآن سے محبت کرنے کا طریقہ حسین نے سکھایا۔
حسین کی شان قرآن نے بیان کی۔
قرآن کی شان حسین نے بیان کی۔
حسین کی ابدی زندگی اور سرمدی حیات کی گواہی قرآن نے دی۔
قرآن کی حفاظت کے لئے اپنی جان حسین نے پیش کر دی۔
حسین نے کہا قرآن زندہ اور زندگی بخش کتاب ہے۔
قرآن نے کہا حسین زندہ اور حزن و ملال سے پاک ہے۔
حسین نے کہا قرآن ہمارا ہے۔
قرآن نے فرمایا حسین میرا ہے۔

حسینؑ نے کہا کہ قرآن کی حفاظت اللہ تعالٰی کے ذمے ہے۔

قرآن نے امام الانبیاء کی زبان سے اعلان کیا اے میرے امتیوں ہم تم سے اپنی تبلیغ کا کا صرف یہ بدلہ مانگتے ہیں کہ ہمارے اہل بیت سے محبت اور مودت کرو۔

حسین نے تیر و تلواروں کی بارش میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جان جاتی ہے تو جائے لیکن قرآن کے قوانین کا احترام کرو۔

قرآن نے اعلان فرمایا کہ حسین رسول ہاشمی کے نواسے ہی نہیں بیٹے بھی ہیں۔

حسین نے خطبہ دیا قرآن کسی مخلوق کا کلام نہیں یہ خالق کا کلام ہے۔ خدا کا قانون ہے اور قانونِ خداوندی کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

قرآن نے فرمایا حسین تم رسول صادق کے نواسے ہو اور خدا کی امانتوں کے امین ہو خدا تم سے اپنی امانتیں واپس مانگتا ہے۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔

قرآن نے کہا حسین زندہ ہیں حسین ابدی حیات کے مالک ہیں رب جلیل کے پاس رزق پاتے ہیں۔

حسین نے قرآن کے اس دعوے کی دلیل بن کر دنیا والوں کو دکھا دیا حسین کا سر مبارک جسد اطہر سے جدا ہو کر بھی کوفے کی گلیوں سے نکلتا ہوا قرآن عظیم کی تلاوت کرتا جا رہا تھا اور اعلان کر رہا تھا کہ حسین کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھی قرآن کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ حسین نے اپنے سرفروشانہ جذبۂ عمل سے اسلام اور قرآن کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سر دے کر پار لگا دیا۔ مگر قرآن کا ساتھ نہ چھوڑا حسین نے حق و صداقت کی حمایت اور اللہ کی راہ میں تسلیم و رضا کے لئے اپنی گردن دے دی لیکن قرآن کی خلاف ورزی نہ ہونے دی۔ حسین نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جوانوں کی جوانی لٹا دی لیکن قرآن کی آبرو نہ لٹنے دی حسین نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہاتھوں میں لے جا کر قرآن کی آبرو پہ نچھاور کر دیا لیکن قرآن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس لئے کہ پیارے آقا فرما چکے تھے کہ حسین اور قرآن کبھی جدا نہ ہوں گے ہمیشہ ساتھ رہیں گے

یہاں تک کہ سرزمین کربلا پر بھی قرآن کی سچائی اور حقانیت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو یاد رکھنا قرآن پاک طیب وطاہر ہے اس کے پاک اور مقدس منشور کو بدلنے نہیں دوں گا۔ اس کے قانون توڑنے نہیں دوں گا۔ اس کے ضابطے میں تبدیلی نہیں آنے دوں گا۔ قرآن ہماری آنکھوں کا نور دل کا سرور ہے اس کی روشن شمع کو بجھنے نہیں دوں گا۔ قرآن کے ایک ایک حرف کے احترام کی خاطر اپنے خون کے ہر ہر قطرے کو بہا دوں گا۔ لیکن قرآن کے ایک حرف میں تبدیلی نہیں ہونے دوں گا۔ قرآن پاک کے طیب وطاہر دستور میں یزید پلید کے اختراعی اور نجس قوانین کی آمیزش نہیں ہونے دوں گا۔ سرزمین کربلا پر سیدنا حضرت امام عالی مقام کے متعدد مختلف خطبات عالیہ کا ماحصل یہ ہی تو تھا کہ قرآن کے خلاف کوئی آئین برداشت نہیں کیا جائے گا قرآن کے خلاف کوئی ضابطہ نہیں بنایا جائے گا۔ آئین ہوگا تو قرآن کا، دستور ہوگا تو قرآن کا قانون ہوگا تو قرآن کا، اصول ہوگا تو قرآن کا، حکومت ہوگی تو قرآن کی، بات ہوگی تو قرآن کی۔

زہرا کے لال پر تیروں تلواروں اور پتھروں کی بارشیں ہو رہی تھیں لیکن حسین کوہ گراں کی طرح قرآن کے تحفظ کی خاطر اپنے حقیقی منصب پر جمے رہے۔ آپ کے پائے استقلال میں ذرا جنبش نہ آسکی ؎

چھائے تھے بادل ظلم و تشدد کے آل پر
پتھر برس رہے تھے محمد کے لال پر

امام عالی مقام پر یہ ظلم و تشدد اور جبر وستم صرف اس لئے ڈھائے گئے تھے کہ آپ نے قرآنی احکام توڑنے والی حکومت کو خلافت اللہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ قرآن حسین کے سینے کے ساتھ لگا ہوا لرز رہا تھا۔ لیکن محافظ قرآن استقلال و استقامت کی چٹان بن کر قرآن کی طرف آنے والا ہر تیر اپنے مقدس سینے پر روک رہا تھا اور حق و صداقت کا یہ خطبہ ارشاد فرما رہا تھا۔ کہ اے لوگو حسین نے تمہیں دعوت حق دینے کا فریضہ ادا کر دیا اب تمہاری مرضی ہے اسے قبول کر دیا نہ کرو اور جب حسین جلال حیدری کی تصویر بن کر ہزاروں دشمنوں کے سامنے ایک تاریخی خطبہ

ارشاد فرمانے کے لئے آگے قدم بڑھاتے ہیں تو فضاؤں میں انتہائی دردناک آوازیں گونجتی ہوئی حسین کے کانوں سے جا کر ٹکراتی ہیں۔ ہر چہار جانب سے دھمکیوں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں لیکن حسین ہیں کہ ایسی دردناک اور بھیانک صداؤں کو سن کر مسکراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پورا خاندان حسین کی نظروں کے سامنے موت کے گھاٹ اتر چکا ہے۔ عون و محمد کو بھی موت نے اپنے چنگل میں دبا لیا ہے اصغر و اکبر بھی موت کے شکنجے میں پھنس چکے ہیں۔ قاسم و عباس جیسے علم برداروں کو بھی موت نے اپنی آغوش میں سلا لیا ہے اب وہ ہی بھیانک موت امام عالی مقام کے سامنے رقص کرتی نظر آ رہی ہے لیکن میرے حسین کے ان نازک لبوں پر اب بھی مسکراہٹ کے آثار نمودار ہیں شاید اسی کی منظر کشی شاعر نے یوں کی ہے۔

وہ جو خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ جب یزیدی لشکر کے سامنے آتے ہیں، تو بڑا ہی پُر زور فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اے لوگو تم مجھے پہچانو۔ میرا حسب و نسب دیکھو میرے موقف کی صداقت پر غور و خوض کرنے کی کوشش کرو۔ واللہ اس صفحۂ ہستی پر میرے سوا نبی کی بیٹی کا کوئی بیٹا موجود نہیں۔ میری رگوں میں تمہارے نبی کا قیمتی خون ہے۔ تم اس خون کی توہین کرنے پر آمادہ ہو چکے ہو۔ یاد رکھو کل قیامت کے روز امام الانبیاء کو کیا منہ دکھاؤ گے تم ہمارا حق پہچانو ہماری حقیقت سے واقف ہو جاؤ۔ میں نبی کا نواسہ ہوں علی کا لاڈلہ ہوں۔ فاطمہ بنت رسول کا چہیتا ہوں۔ ظالمو ظلم کی کوئی حد ہوتی ہے اب بھی باز آ جاؤ خون حسین سے تم نے ہمارا پورا خاندان اجاڑ دیا ہے۔ رسول کے باغ کو تم نے اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا۔ ابھی حسین کے خطبے کا آغاز ہوا ہی تھا۔ کہ شمر نے کہا حسین موت سے ڈر گئے جو ہمارے سامنے اپنی حقیقت کا اظہار کرتے ہو۔ اپنا تعارف نبی کے واسطے سے کراتے ہو جان بچانے کی صرف ایک ہی صورت ہے تم اطاعت یزید کر لو۔ تم نے اگر یزید کی بیعت کر لی تو ابھی امان

دے دی جائے گی مسرت و شادمانی کی محفل پھر آراستہ کر دی جائے گی۔ بزم عیش و طرب سجانے کا موقع دے دیا جائے گا زندگی کی راحتوں سے مالا مال کر دیا جائے گا ورنہ موت تمہارے سامنے ہے۔ امام عالی مقام نے جب شمر کے یہ جملے سنے تو جذبات میں مچل اٹھے اور فرمایا نادان موت کی دھمکی دیتا ہے ؎

کیا موت سے ڈر موت کی سختی کیسی ٭ میلی ہے یہ پوشاک بدل ڈالوں گا

فاطمہ کا لال غضب ناک ہو گیا چہرے پر خون اتر آیا۔ آنکھوں میں قہر کے آثار پیدا ہو گئے آپ نے فرمایا۔ ناہنجار ——— خاموش ہو جا۔ دشمنِ رسول ——— اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو میں قاسم کی زندگی بچاتا، علی اکبر کی جوانی بچاتا۔ عباس علم بردار کی جان بچاتا۔ بے وقوف ——— ! اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو ننھے علی اصغر کی جان بچاتا، عون و محمد کی پیاری پیاری جانیں بچاتا، پسران عقیل و علی کی جانیں بچاتا اپنے وفادار ساتھیوں کی جانیں بچاتا۔ نادان ——— ! رسول اعظم کا سارا باغ ویران کر دینے کے بعد بھی مصطفےٰ کے باغی اور خدا کے دشمن کی اطاعت کا مشورہ دیتا ہے۔

پھر آپ نے عمر و سعد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ او سعید باپ کے شقی بیٹے تو بھی سن لے ہم نے اپنے خطبے میں تم سب کو بتا دیا تھا کہ ہمارا حق پہچانو۔ ہم اہل بیت رسول ہیں۔ اور یہ بھی بتایا تھا کہ میرے سر پر عمامہ رسول ہے اور میری کمر میں خاتون قیامت کا پٹکا ہے اور میرے پاس سید الشہداء امیر حمزہ کی ڈھال ہے۔ اور دیکھ یہ نیزہ جعفر طیار کا ہے اور یہ تلوار حیدر کرار کی ہے مگر تم لوگوں نے میری کوئی بات نہ سنی تم تو حکومت کے نشے میں اندھے اور بہرے تھے۔ ظالمو تمہاری دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔ شمر نے کہا ہم نے تمہیں وعظ و نصیحت کرنے کے لئے نہیں بلایا ہے۔ دل کی حسرت ہے تو نکالو۔ کوفیوں کا خیال تھا کہ اب حسین میں لڑنے کی سکت نہیں۔ تین دن کا پیاسا ہے اور پھر صبح سے آنکھوں کے سامنے پورا خاندان کٹتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ لاشیں اٹھا اٹھا کر کمر دوہری ہو گئی ہے اب بھلا یہ کیا مقابلہ کرے گا۔ ان کے ایک آدمی نے بڑھ کر امام حسین پر حملہ کیا، امام حسین نے وار خالی دے کر ایسا نیزہ مارا کر سینے کے آر پار ہو گیا۔ عمرو نے جو اپنا آدمی کٹتا

ہوا دیکھا تو حملہ کرنے کا عام حکم دے دیا کہ سب لوگ مل کر یک بارگی حملہ کریں۔ اور جلد از جلد امام عالی مقام کے سر کو قلم کر کے فتح کے نقارے بجاتے ہوئے ابن زیاد کے پاس پہنچ جائیں اور یزید سے انعام حاصل کریں۔ ابن زیاد سے شاباشی وصول کریں۔ علی کے اکیلے شیر پر ہزاروں دشمنوں نے حملہ کر دیا تھا سینکڑوں تلواریں چل رہی تھیں ہزاروں تیر بیک وقت کمانوں سے چھوٹ رہے تھے۔ بیسوں نیزے بیک وقت ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ امام عالی مقام پر برسنے والے تیر خود ان کے گھوڑوں کو بھی زخمی کر رہے تھے۔ علی کا شیر ذوالفقار حیدری کو میدان میں اس طرح گھما رہا تھا جیسے سینکڑوں بجلیاں بیک وقت چمک جاتی ہیں۔ تلوار کی کاٹ تھی یا بجلی کا رقص جو فسق و فجور کے کے نشیمن کو جلانے کے لئے اتری ہوئی تھی ابن حیدر کی تلوار جلال حیدری کی تصویر لا سیف الا ذوالفقار کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ سخت دوپہر ہو چکی تھی۔ زمین آگ اُگل رہی تھی آسمان آگ برسا رہا تھا میدان کربلا میں چلنے والی ہوا اس قدر گرم تھی جیسا آگ کے شعلوں کو چاٹ کر آ رہی ہے۔ اور تیغ امام بھی گرم ہو چکی تھی جس کو چھو جاتی اس کو جلا کر خاک کر دیتی اور وہ آگ آگ کہتا ہوا واصل بہ جہنم ہو جاتا۔ میر مونس کہتے ہیں ؎

کیا جنگ میں تھی تیغ شہنشاہ زمن گرم — سر گرم ہوا گرم زباں گرم دہن گرم

پڑ جاتا تھا سایہ بھی تو ہو جاتے تھے تن گرم — مرنے پہ بھی خوں خواروں کے تھے زخم بدن گرم

شمشیر چل رہی تھی، شبیر بڑھ رہے تھے، شریر کٹ رہے تھے، زمین کانپ رہی تھی آسمان لرز رہا تھا، میدان ہل رہا تھا، خون برس رہا تھا، فضا کا سینہ دھڑک رہا تھا شریروں کی فوج بائیس ہزار تھی، شبیر اکیلا تھا، اس وقت ایک بدبخت اشارہ کرتا ہے کہ حسین ادھر دیکھو وہ فرات کا پانی چمک رہا ہے مگر تمہیں ایک قطرہ بھی نہ دیا جائے گا۔ اور تمہیں پیاسا ہی قتل کر دیا جائے گا اس وقت آپ یہ سن کر زبردست جدال و قتال کرتے ہوئے ساحل فرات پر پہنچ گئے۔ مگر پانی تو پینا ہی نہ تھا۔ علی اصغر کے پیاسے چلے جانے کے بعد پانی کیا پیتے۔ جس کا علی اکبر پیاسا شہید ہو چکا ہو جس کے عابد بیمار کو ایک گھونٹ پانی نہ مل سکا ہو۔ جس کی سکینہ پانی کے لئے تڑپ رہی ہو جس

کی گھر والیاں پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہی ہوں، جس کی ہمشیر کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو چکا ہو۔ وہ پانی کیا پیتے صرف دشمنوں کو بتانا تھا کہ فرات حسین کی زد میں ہے فرات ہی کیا اگر آپ چاہتے تو کوثر کا چشمہ کناروں سے بہتا ہوا میدان میں آجاتا۔ مگر آپ کو تو پیاسا رہ کر ہی امتحان دینا تھا۔ یہ تمام مصیبتیں اور تمام بلائیں پیاسے رہ کر ہی برداشت کرنا تھیں۔ اور پوری رضا مندی کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں اپنی مقدس جانیں پیش کرنا تھیں۔ اس بلائے عظیم کو برداشت کر کے ہی تو تکمیل ذبح عظیم ہونا تھی۔ وقت کی ان نزاکتوں کو دیکھ کر آپ کے اوپر ان ناقابلِ برداشت مظالم کے انبار دیکھ کر جنوں کا سردار وہی زعفر جو حضرت علی کے ہاتھوں پر مسلمان ہو چکا تھا آتا ہے اور آکر درخواست کرتا ہے کہ حضور والا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ساتھیوں کی تعداد بہت کم ہے اور دشمنوں کی کثرت ہے، مجھے حکم فرمائیں تاکہ میں دشمنوں کو چند لمحوں میں نیست و نابود کر دوں۔ مگر آپ نے اس کی یہ درخواست منظور نہیں فرمائی۔ جنوں کا سردار ہی کیا آپ تو خود رسول عربی کے نواسے تھے، اگر آپ چاہتے تو اپنی ہی تلوار سے پورے یزیدی لشکر کو نیست و نابود کر دیتے۔ جو زبان سے نکلتا وہ ہو کر رہتا لیکن حسین کو تلوار بھی چلانا تھا اور شہید بھی ہونا تھا۔ حسین کا منصب یہ ہی تھا کہ آپ کو مجاہدانہ شہادت نصیب ہو۔ اگر آپ قوتِ روحانی سے فوجِ یزید کو ختم کر دیتے تو آپ کو شہیدِ اعظم کون تسلیم کرتا۔ اگر آپ تلوار نہ اُٹھاتے تو آپ کو مجاہدِ اعظم کون مانتا۔

جنگ پورے زور و شور پر جاری ہے۔ تیر چل رہے ہیں، تلواریں برس رہی ہیں نیزے ٹکرا رہے ہیں حیدر کا شیر کبھی نعرۂ تکبیر لگاتا ہے، اور کبھی نعرۂ حیدری پکارتا ہوا مجاہدانہ شان سے دشمنوں کی صفوں کی صفوں کو الٹ رہا ہے۔ تیغِ امام چل رہی ہے دشمن جہنم میں جا رہے ہیں۔ پیارے مصطفٰے کا نواسہ تین دن کا پیاسا اپنے فرض منصبی کو پورا کر رہا ہے۔ آپ کے جسم انور پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور برچھیوں کے بے شمار زخم آچکے ہیں۔ زخموں سے خون بہہ بہہ کر فاطمہ کے لال کا لباس سرخ ہو چکا ہے۔ تصویرِ مصطفٰے کے ساتھ ساتھ قبائے مصطفٰے بھی تار تار ہو چکی ہے گھوڑا

بھی خونِ حسین سے نہا چکا ہے۔ امام حسین پیکرِ استقامت بن کر برابر ظالموں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ آپ کے جسمِ انور سے خون بہت نکل چکا ہے۔ نقاہت جسمانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی ہے مگر قوتِ عزم و اعتماد اور ایمان و یقین پورے جاہ و جلال کے ساتھ مصروف کارزار ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم صبح سے نواسے کا امتحان ملاحظہ فرما رہے ہیں خون کی شیشی ہاتھوں میں لئے ہوئے نواسے کے مقدس خون کا انتظار فرما رہے ہیں اب یہ انتظار ختم ہونے والا ہے کربلا کے دولہا کے لئے جنت کی سواری آچکی ہے حوریں صف بہ صف فاطمہ کے لال کے استقبال کے لئے کھڑی ہیں۔ چشمۂ کوثر بار بار تین دن کے پیاسے کے لئے جوش میں آکر کناروں سے اوپر بہہ نکلتا ہے۔ جبرائیل ہاتھوں میں ذبح عظیم کی سند لئے بڑی شدت سے انتظار کر رہے ہیں کہ وارث ذبح عظیم آجائے تو یہ تحفہ پیش کروں اتنے میں ایک تیر آکر حسین کے حلق میں پیوست ہو جاتا ہے حلقوم حسین سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ نانا جان اپنے پیارے حسین کے آخری سجدے کا انتظار کر رہے ہیں دیدارِ الٰہی کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ امام الانبیاء اپنے نواسے کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے والے ہیں۔ وصال کی گھڑیاں اور بھی قریب آجاتی ہیں نیزے کی بوچھار سے جسد حسین زین سے نیچے گر جاتا ہے۔ فاطمہ کا لال گرم گرم ریت میں مل جاتا ہے ؎

تیغوں سے بند بند جُدا تھا جناب کا
شیرازہ کھل گیا تھا خدا کی کتاب کا

حسین جب گھوڑے سے گرے تو گرتی ہوئی انسانیت سنبھل گئی فاطمہ کا لال خون میں ڈوب گیا تو اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کنارے پر پہنچ گئی۔ پیارے حسین کیا گرے کہ فسق کی دیواروں کو لرزہ آگیا۔ صبر و تشدد کے محلات پہ لرزہ طاری ہو گیا۔ خونِ حسین کی سُرخ لکیروں نے حق و باطل کی حدوں میں امتیاز کر دیا۔ زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ دیکھ رہا ہے کہ قرآن ناطق گر چکا ہے ادھر شمر کا پاؤں گردنِ حسین پر رکھا ہوا ہے۔ ادھر سنان بن انس شور مچا رہا ہے کہ حسین کا سر کاٹ دو۔ حسین اٹھا ہونے کے لئے زور لگا رہے ہیں آخری سجدہ

کرنے کے لئے آخری قوت صرف کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا شمر میری گردن سے پاؤں ہٹا
لے تاکہ میں اپنے رب کے حضور سجدہ کروں مگر بدبخت شمر نے اپنا ناپاک پاؤں نہ ہٹایا آپ نے
اس حالت میں بھی زور ید اللّٰہی سے اپنا رخ بدل کر سر نیاز کو بارگاہ خداوندی میں رکھ دیا
علامہ اقبال کہتے ہیں ۔

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اک ضربِ یداللّٰہی، اک سجدۂ شبیری

یہی سجدۂ نیاز تھا جس نے انسان کو کرمنا بنی آدم کا تاج پہنا کر فرشتوں سے
اشرف اور تمام مخلوقات سے ممتاز کر دیا اُدھر شمر گردن پر خنجر پھیر رہا ہے۔ اِدھر سجدۂ
محبت ادا ہو رہا ہے ملائکہ کی صفیں کربلا کے شہنشاہ کو سلامی پیش کر رہی ہیں۔ فاطمہ کا لال
اپنے امتحان میں پوری کامیابی کے ساتھ پاس ہو کر اس دار فانی کو خیر باد کہہ کر داعی اجل
کو لبیک کہتا ہوا بارگاہِ رب جلیل میں پہنچ جاتا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔
یزیدی کتوں نے حسین کا سر قلم کیا پوری انسانیت کا سر قلم کیا اور پھر اسی پر بس نہیں
بلکہ ان ظالموں نے آپ کے کٹے ہوئے سر اقدس کو نیزے پر چڑھا کر گلی گلی گھمایا لیکن
سنو ظالموں نے کچھ بھی سوچ کر سرِ حسین نیزے پر چڑھایا ہو مگر سرِ حسین جاتے جاتے نیزے پر
بلند ہو کر یہ حقیقت دنیا والوں کے سامنے پورے طور سے ظاہر کر دینا چاہتا ہے کہ حق
ہمیشہ سربلند ہی رہتا ہے۔ صداقت کو ہمیشہ سرفرازی ہی نصیب ہوتی ہے۔
یہ تھی وہ داستانِ عشق و محبت جس کے ہر ہر موڑ پر ایثار و قربانی، عزم و استقلال
کا کوئی عظیم پیکر جیسے یہ اعلان کر رہا ہو۔

ناؤ طوفان کے دھاروں کو بنایا ہم نے
بستر آگ کے شعلوں پہ بچھایا ہم نے
جان تو دی مگر ایمان کو جانے نہ دیا
عظمتِ دین پہ سر اپنا کٹایا ہم نے

☆

ظہورِ قدسی

ازقلم مولانا زاہد علی سلامی رضوی سنبھلی (عالم فاضل الہ آباد، ادیب کامل علیگ)
متعلم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــــ نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے ـــ ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے
اک نام مصطفےٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں ـــ ورنہ ہر اک عروج میں پنہاں زوال ہے

ع خزاں کے بعد بہار آئی پھر گلستاں میں

کرۂ ارضی کی اس وسیع فضا میں حضرت ابن مریم علیہ السلام کے دورِ نبوت کے بعد اس خودسری دنیا میں کسی دینی مربی کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ خدائے واحد کی وحدانیت کا پرچار کرنے والا کوئی قافلہ دکھائی نہ پڑتا تھا۔ دم توڑتی ہوئی انسانیت کو سہارا دینے والا کوئی گروہ دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ قہار و جبار کی تسبیح و تہلیل کرنے والا کوئی نہ تھا۔ روحوں کی بے قراری کو قرار دینے والا کوئی نہ تھا۔ خالق ارض و سما مالک انس و جاں کی عبادت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ رب الارباب کے دین کو پھیلانے والی کوئی طاقت دکھائی نہ دیتی تھی۔ حتی کہ کسی ہادی کی پرچھائیں تک نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ جگہ جگہ انتشار تھا، جگہ جگہ بے چینی تھی۔ خدائے لم یزل کی عبادت کے بجائے خودساختہ بے جان بتوں کی پرستش کی جا رہی تھی۔ آگ کے دہکتے ہوئے فلک شگاف شعلوں کو معبود برحق سمجھ کر ان کی عبادت کی جا رہی تھی۔ وحشت و بربریت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ایک بھائی کی تلوار دوسرے بھائی کی گردن کاٹنے کے لئے ہمہ وقت نیام سے باہر رہتی تھی۔ بیواؤں، یتیموں اور بے کسوں کی قدر و منزلت انسانی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ پوری انسانی آبادی گناہوں

کے بارے دبی ہوئی چیخ رہی تھی۔ افراد انسان کے قلوب سے عزت وشرافت کی کھلی ہوئی کلیاں سسک سسک کر دم توڑ رہی تھیں۔ ہر سمت کبر و نخوت کی گھٹا ٹوپ بدلیاں منڈلا رہی تھیں۔ جہالت و گمراہی کی تاریکیاں دل و دماغ کے ہر ہر گوشے پر چھا چکی تھیں۔

الغرض! ہر صورت سے خدائے واحد کی وحدانیت کا انکار کیا جا رہا تھا۔ کہیں پر دریا کی بے قرار لہروں کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کیا جا رہا تھا کہیں پر چاند سورج اور جھلملاتے ہوئے ستاروں کے روبرو جبین عقیدت کو خم کیا جا رہا تھا۔ کہیں پر اپنی اپنی کامرانیوں کے لئے خود تراشیدہ بتوں کے سامنے سر ٹیکا جا رہا تھا۔ عدل و انصاف کا نام و نشان صفحۂ دہر سے محو ہو چکا تھا۔ حقوق العباد غصب کرنا عام طور پر ضروری بن چکا تھا۔ بدکاری کا زہر پوری انسانیت میں پھیل چکا تھا۔ لوٹ کھسوٹ، چوری عیاشی اور شراب خوری ان کا محبوب ترین مشغلہ بن چکا تھا۔ بات بات میں گالیاں دینا ان کا تکیہ کلام بن چکا تھا۔ اپنے اور بے گانے کا امتیاز اُٹھ چکا تھا۔ تہذیب وتمدن کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو چکا تھا۔ ماں کی آغوش محبت سے ننھی ننھی بے گناہ بچیوں کو چھین کر سپرد خاک کر دیا جاتا تھا۔ یتیموں اور بیواؤں کی عصمت وعفت کو سر بازار نیلام کر دیا جاتا تھا۔ عام رسم تھی کہ فرزند اکبر اپنے باپ کی بیبیوں کو جائیداد کی طرح قبضے میں کر لیا کرتا تھا۔ عورت کو اس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا تھا کہ اس کو محض حظ نفس کی تکمیل کا ذریعہ یا آلۂ تفریح سمجھتے تھے عورتوں سے حقوقِ زندگی چھین لئے گئے تھے۔ حق وصداقت کے راستے انسانی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ وادیٔ ضلالت میں بھٹکنے والے، نشۂ غفلت میں بدمست سرشار، جو انسانیت سے عاری ہونے کے باوجود انسان کہلانے پر نازاں تھے۔ تہذیب وتمدن اور اخلاق ومعاشرت سے ناآشنا تھے۔ باہمی خلوص و ہمدردی، عقیدت ومحبت سے بے بہرہ تھے۔ زبردست کی شہنشاہی اور کم زور کی تباہی کے ایام تھے۔ زبردست زیردستوں کی ہڈیاں چوس رہے تھے۔ غرض کہ عرب کے وہ باشندے کردار واخلاق، عادات واطوار، محبت واخوت کی لذتوں سے کوسوں

کوسوں دُور نکل چکے تھے۔

اللہ، اللہ کتنی بھیانک تھی وہ گھڑی جب کفر والحاد کی گھنگھور گھٹائیں انسانی سروں پر منڈلا رہی تھیں۔ کتنی کرب انگیز تھی وہ ساعت جب کشتئ انسانیت کفر و شرک کی متلاطم خیز لہروں میں ہچکولے کھا کھا کر غرق آب ہو رہی تھی کتنے پُرخطر تھے وہ لمحات جب شوہر کے انتقال پر نوجوان بیوہ کو نذر آتش کرنے میں کسی کی جبیں پر ہلکی سی شکن تک نہ آتی تھی کتنے افسوس ناک تھے وہ اوقات جب رب الارباب کا نام لینے والا کوئی دور تک بھی دکھائی نہ پڑتا تھا کتنے دردناک تھے وہ صبح و شام جب حقانیت کا پرچار بلند کرنے والا کہیں سے کہیں تک نظر نہ آتا تھا۔ کس قدر قیامت خیز تھا وہ دور جب کوئی مونس و غم خوار نہ ملتا تھا جو سسکتے اور بلکتے ہوئے مظلوموں، جو تڑپتے اور دم توڑتے ہوئے انسانوں، جو بے کسوں اور بے بسوں کے بہتے ہوئے اشکوں کو جذب کر لیتا۔ کتنا پُر آشوب تھا وہ ماحول جب بات ہی بات آن کی آن میں ہزاروں خون آشام شمشیریں بے نیام ہو جایا کرتی تھیں، اور کشتے کے پشتے لگ جایا کرتے تھے۔ کیسا پُرملال تھا وہ وقت جب اکناف عالم میں ظلمت و بربریت کا پہرہ لگا ہوا تھا ہر چہار جانب تاریکی ہی تاریکی نظر آ رہی تھی۔ ہاں! ہاں!! یہ اسی وقت کی بات ہے جب زمین اپنے سینے پہ ایک محسن انسانیت کے پاؤں کے تلوؤں کی لذت پانے کے لئے بیقرار تھی، جب آسمان ایک بندۂ حق پہ رحمتوں کی برسات برسانے کے لئے مضطر تھا، جب مصر اور ہندوستان، بابل اور نینوا، یونان اور چین کی تہذیبیں اپنی شمعیں گل کر چکی تھیں، جب روم اور فارس اگرچہ تمدنی عظمت کا پرچم بلند رکھنے کے دعویدار تھے مگر ان کے شیش محلوں میں بدترین مظالم کا دور دورا تھا۔ جب کراہتی، سسکتی زندگی کے تراشیدہ زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ جب عرب کے ریگزاروں میں قبائلی عصبیت نے حیات انسانی کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ جب انسان صراط مستقیم سے بھٹک کر افراط و تفریط کا شکار ہو چکا تھا۔ جب انسان نیکی اور ہدایت کی باتوں سے بدکتا تھا۔ تو ٹھیک اس وقت ایسے بے راہ روی کے ماحول میں ضرورت تھی ایک ایسے محسن انسانیت کی جو ایک ہی وقت میں مونس و غم خوار بھی ہو، جو یتیموں اور بیواؤں کا ساتھی بھی ہو، جو زیر دست اور غلاموں کا ہم درد بھی ہو، جو حق و صداقت کا علم بردار بھی ہو

جو رشد و ہدایت کا پیکر بھی ہو' جو عدل و انصاف کا مرکز بھی ہو' جو نبوت و رسالت کا سنگم بھی ہو جو مسیحائے زخم و جگر بھی ہو' جو محسن انسانیت بھی ہو' جو آنکھوں کا سرور اور دل کی ٹھنڈک بھی ہو۔ جو بے سہاروں کا سہارا بھی ہو' جو روتے ہوئے بیکسوں اور بے بسوں کے بہتے ہوئے اشکوں کو اپنے دامنِ کرم میں جذب کرنے والا بھی ہو' جو دل کا درمان اور کشورِ بدن کا سلطان بھی ہو۔

ضرورت تھی ایک ایسے ریفارمر کی جو پوری قوم انسانیت کو ضلالت و گمراہی کی پٹری سے اتار کر رشد و ہدایت کے ایک ہی پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کر دے' ضرورت تھی ایک ایسی ذات گرامی کی جو عالم میں انقلاب پیدا کرے ــــ ضرورت تھی ایک ایسے آسمان نبوت کی جو دنیا کو سبعی و بہیمی خواص کے پنجے سے چھڑا کر ملکی صفات سے متصف فرما دے۔

ضرورت تھی ایک ایسے بدر کامل کی جو نفسانی کدورتوں کے بجائے ربانی انوار سے قلوب کو معمور فرما دے۔

ضرورت تھی ایک ایسے مرشد ربانی کی جو انسانی نفوس کو شائستگی عنایت فرما دے۔

ضرورت تھی ایک ایسے مغیث اعظم کی جو دنیا کو دستگیر بن کر قعرِ ضلالت سے نکال دے۔

ضرورت تھی ایک ایسے منصف اعظم کی جو عدل و انصاف کے قوانین جاری فرما دے۔

ضرورت تھی ایک ایسے فاتح اعظم کی جو ظلم و جہالت کی افواج کو شکست دیکر فتح و نصرت کے علم بلند فرما دے ــــ ضرورت تھی ایک ایسے رہبر اعظم کی جو دور افتادوں کو منازل قرب تک پہنچا دے ــــ ضرورت تھی ایک ایسے رسول اعظم کی جو چھوٹے ہوؤں کو رب سے ملا دے۔

تو اس وقت' ہاں ہاں اسی وقت فرشِ گیتی کا ایک ایک ذرہ ان معصیت کیش انسانوں کے بارِ گناہ سے تنگ آ کر دعا کرتا ہے۔ دعا، فضائے آسمانی میں گھومتی ہوئی افلاک کو چیرتی ہوئی بابِ اجابت سے ٹکراتی ہے۔ یکایک رحمت خداوندی کو جوش آ ہی جاتا ہے اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ سرزمین مکہ سے پھوٹ پڑتا ہے ــــ اچانک نسیم سحری کا ایک جھونکا آیا اور عندلیبان چمن ایک دوسرے کو مژدۂ جانفزا سنانے لگیں۔ طائرانِ خوش الحان اپنی روح نواز نغمہ سنجیوں سے دلوں پر کیف و مستی نازل کرنے لگیں۔ گلوں کی نرم و نازک پنکھڑیاں مستی میں آ کر دوشِ نسیم کے

سہارے جھومنے لگیں۔ لبوں پر مسکراہٹ کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ کفر و الحاد کی عمارتیں پارہ پارہ ہو گئیں، توحید کا سورج طلوع ہو گیا، عالم کا نقشہ بدل گیا تمام عالم مرفہ الحال ہو گیا روحانیات کے ورود سے تمام صحن زمین پُر ہو گیا، مرجھائی ہوئی کلیوں کا رنگ جوشِ مسرت سے بدل گیا آتش کدۂ فارس بجھ گیا، مجوسیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ عالم گیر مصیبت کے بجائے رحمت عامہ کا نزول ہوا۔ تمام جہان نور سے معمور ہوا۔ بام کعبہ پر علم سبز نصب ہوا ہر طرف اجالا ہی اُجالا نظر آنے لگا۔ جہان کا پودا پودا نئے لباس سے آراستہ، نئی ہوا میں جھومتا، لہلہاتا نظر آنے لگا۔ زمین کے افسردہ خاطروں پر طرب کی موسلا دھار بارش ہونے لگی، باغِ ہستی میں بہار آنے لگی۔ صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی۔ بت خانوں میں ہلچل مچ گئی۔ جھوٹی خدائی کی جھوٹی شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ ظالموں کا ظلم اور آقاؤں کی ڈکٹیٹری ختم ہو گئی۔ وحشت و بربریت نیست و نابود ہو گئی۔ پوری کائنات انوار و تجلیات سے بھر گئی خنک ہواؤں میں دلفریب بھینی بھینی مہک بس گئی، آرزو مندانِ جمال کی چشم تمنا وا ہوئی۔ آتش خانوں کی صدہا سالہ آگ سرد ہوئی۔ قحط سالی رفع ہوئی۔ گلشن تمنا میں بادِ مراد چلی۔ خشک اور چٹیل میدان سرسبز و شاداب ہوئے غنچے چٹک چٹک کر پھول کھل کھل کر شگفتہ ہو گئے مدتوں کے سوئے ہوئے گل اپنی رنگا رنگ صورتوں کے ساتھ رنگین و تازہ ہتھیلیوں سے آنکھیں مل مل کر بیدار ہو گئے۔ دبلے جانور فربے ہو گئے، عز و جبروت والے بادشاہوں کے قصر و ایوان کے چودہ کنگرے سر بہ خاک ہو گئے۔ شیاطین کے تخت الٹ گئے، بت خانے ویران ہونے لگے۔ بھوکے قحط زدہ سیر معلوم ہونے لگے۔ سوکھے ہوئے درخت پھل لانے لگے۔ پھول مہکنے لگے۔ غرض کہ فصلی اور موسمی تغیرات نے ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے والی ہستی کے ورود کی خبر دی۔ باطل معبودوں کی ذلت و رسوائی نے ان کے بطلان کی شہادت دی۔ نظام قدرت کے عظیم تبدل سے ایک سرِ الٰہی کے ظہور کا پتہ ملا۔ نرگس منتظر کا فرش بچھا۔ رحمت الٰہی کا شامیانہ تنا۔ فرح و طرب نے عالم پر قبضہ کیا۔ شب غم نے بستر اٹھایا۔ صبح امید نے چہرا دکھایا۔ اور ۲۳؍ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۱۲؍ ربیع الاول یا بروایت دیگر ۲۰؍ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹؍ ربیع الاول کو صبح صادق کے وقت صبح صادق نے

طلوع فرمایا۔

سرزمین مکہ پر عبداللہ کے گھر میں آمنہ کی گود میں محبوب خالق اکبر، کونین کے سروردارین کے تاجور، مجموعۂ مخلوقات کے حرف اولیں، مورث فضائل و کمالات آخریں، دیوان حشر کے صدر نشیں، شہنشاہ انبیاء و مرسلیں، تفسیر قرآن مبیں، طٰہٰ و یٰسیں، کاتب قدرت کے قلم ایجاد کے اوّل شاہکار، نادر روزگار، خلاصۂ لیل و نہار، زہرہ جبیں انوار، نور عیون اخیار گلزار خلائق کے سب سے نفیس پھول، مبدا ضوابط فروع و اصول، رابطۂ علت و معلول، واسطۂ جاعل و مجعول، آسمان نبوت و رسالت کے نیّر اعظم، نور دیدۂ ابراہیم و آدم، فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم تشنگان جمال کو شراب دیدار سے سیراب کرتے ہوئے ظہور پذیر ہوتے ہیں سبحان اللہ ؎

بصد انداز یکتائی بغایت شانِ زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

ذرا غور کیجئے خالقِ اکبر نے محبوب اکبر کو کس تزک و احتشام اور کس شان و شوکت کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے۔

وہ آیا تو نسیم سحری خرام ناز سے چلنے لگی، وہ آیا تو پوری روئے زمین میں امن و شانتی کی فضا پھیل گئی، وہ آیا تو پوری دنیا اتحاد و اتفاق کی گہوارہ بن گئی، وہ آیا تو کائنات کے گوشے گوشے کے مردہ جسموں میں زندگی کی از سرِ نو ایک لہر دوڑ گئی، وہ آیا تو ضلالت و گمراہی نیست و نابود ہوگئی، وہ آیا تو تعصب و جہالت کی زنجیریں کٹ گئیں، وہ آیا تو انسان اور انسانیت کی آزادی کا وقت ساتھ لایا، وہ آیا تو سارے جہان کے لئے رحمت اور نور بن کر آیا، وہ آیا تو اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ بن کر آیا، وہ آیا تو ایسا عظیم مصلح بن کر آیا جو ہر اصلاح سے پہلے خود اس کی عملی نظیر پیش فرماتا۔ اگر اس نے نماز کا حکم دیا تو پہلے خود رات رات بھر اس طرح نماز پڑھ کر دکھائی کہ تورمت قدماہ (یعنی پائے مبارک ورم کر آتے تھے) اگر اس نے روزے کا حکم دیا تو پہلے خود دائم الصوم رہا۔ اگر اس نے تجارت کا حکم دیا تو پہلے خود تجارت کے

بازاروں میں وابتغوا من فضل اللہ کی عملی تفسیر بن کر تجارت کی۔ اگر اس نے تنگ دستی پر صبر و شکیب کی تلقین کی تو پہلے خود اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھے۔ اگر اس نے اپنے مفاد کو دوسرے کے مفاد کے لئے قربان کر دینا سکھایا تو پہلے خود بھوکے رہ کر اپنے صحابہ کو کھلایا۔ اگر اس نے فرمایا کہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے تو پریکٹیکل طور پر جنگ خندق کے موقع پر صحابہ کے دوش بدوش خندق کھود کر اس کو بھی ثابت کر دیا۔ لیکن جب اسی محسن انسانیت اور اسی پیکر نبوت و رسالت نے چاہا کہ:

جگہ جگہ سر جھکانے والے انسان سے ایک خدائے واحد کی عبادت کرائی جائے ساری دنیا کو بتوں کی محبت کے جنگل سے آزاد کیا جائے، دربدر بھٹکتی ہوئی قوم کو صرف اور صرف ایک قہار و جبار کے آستانے پر جھکا دیا جائے، جہنم کے دہکتے ہوئے فلک شگاف شعلوں اور چمکتے ہوئے سرخ انگاروں میں ڈوبنے والی امت کو نجات کی راہ دکھائی جائے، عرب جیسی قوم کی بے ہودگیوں اور بدعقیدگیوں کی اصلاح کی جائے بگڑی ہوئی قوم کو راہِ راست پر لانے کے لئے ان کے سامنے خدائے لم یزل کا نازل فرمودہ قانون پیش کیا جائے، برائیوں کو ختم کر کے نیکیوں کو فروغ دیا جائے، اولادِ آدم کے دلوں سے معبودانِ باطل کی انسیت دور کر کے ان میں انوارِ الٰہی کی تجلیاں بسا دی جائیں، قوم انسانیت کے دلوں کی کدورتوں کو نکال کر ان میں انوار ربی اور تجلیات صمدی کی مقدس آبادیاں بسا دی جائیں۔

پیغمبر اسلام کا پہلا قدم

تو اس وقت اسی مقصد کو لے کر پیغمبر اسلام آگے قدم بڑھاتے ہیں۔

دوستو! ایسی مہیب فضا میں اور ایسے گھناؤنے ماحول میں رشد و ہدایت کا کام کوئی معمولی کام نہ تھا۔ ایسے درندہ صفت انسانوں کے سامنے قانون الٰہی پیش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یاد رکھنا! کسی ایسی قوم کو جو کبھی کسی بادشاہ کے زیر فرمان رہی ہو اسے کسی عظمت و قوت والے تاجور کی صولت شاہانہ سے بہت جلد مسخر کیا جا سکتا تھا۔ وہ قوم جو ایک

مرتبہ اپنی گردنوں میں کسی فرماں رواں کا حلقۂ غلامی پہن چکی ہو بہت آسانی اور شائستگی کے ساتھ کسی دوسرے زبردست وطاقت ور کے حضور سر فرماں برداری خم کرسکتی تھی اور بہت جلد اس کے حقوق پہچان کر شاہانہ خدمات بجالانے کی خوگر ہوسکتی تھی۔ لیکن کسی ایسی قوم کو مسخر کرلینا جس پر کبھی کسی فرمانروا کا تسلط نہ ہوا ہو جس نے کبھی کسی فرمانروا کی شکل پریشاں خواب میں بھی نہ دیکھی ہو۔ کسی ایسی قوم کو اطاعت وفرماں برداری کی راہ پر لا کر کھڑا کردینا جس کے آباو اجداد تک صدیوں سے انبیاء علیہم الصلاۃ والثنا کی اطاعت اور اس کی لذت سے بالکل نابلد ہوں۔ کسی ایسی قوم کو تابع کرلینا جس کی گردنیں کسی دینی مقتدا کے سامنے جھکنے کی عادی نہ ہوں۔ کسی ایسی قوم کو ایک معبود حقیقی کے حضور سر بسجود کر دینا جس نے جگہ جگہ پتھر اور مختلف چیزوں کے بت تراش تراش کر معبودانہ حیثیت سے نصب کر رکھے ہوں۔ کسی ایسی قوم کو مطیع وفرماں بردار بنا لینا جس کی گردنیں غلامی کے طوق سے اور جس کے کان حلقہ بگوشی کی رسم سے ناآشنا ہوں۔ کسی ایسی قوم کو راہ راست پر لے آنا جو لوٹ مار، قتل وغارت، حرام کاری، شراب خوری کو ممنوع الترک اوراد کی طرح لازم جانتی ہو۔ کسی ایسی قوم کو شفقت ومحبت کی بیڑیاں پہنا دینا جو ننھی ننھی بے گناہ جانوں کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ خاک کے نیچے دبا دینا قابل ستائش تصور کرتی ہو، کسی ایسی قوم کو احساس وذمہ داری کی زنجیروں میں جکڑ دینا جو حریت آزادی کی عادی بن چکی ہو۔

الغرض ایسی بے مہار قوم کو راہ راست پر لے آنا، اس کو مطیع وفرماں بردار بنالینا اس کے ہاتھ پاؤں حکومت اسلامیہ کی رسی میں جکڑ لینا، اس کی آزاد اور متکبر گردنوں میں غلامی اور عاجزی کا طوق ڈال دینا، اس کی جان ومال کا مالک بن جانا، اس کے خصائل بدل کر شائستگی اور تہذیب کے زنداں میں قید کرلینا، اس کو اطاعت کا سلیقہ سکھا دینا اور یکایک اس کا اطاعت قبول کرلینا اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ آفتاب کو بعد غروب واپس لانا اور چاند کو کاٹ کر دوپارہ کردینا مشکل ہے لیکن پیغمبر اسلام تبلیغ حقانیت کی خاطر ان ساری دشواریوں کو برداشت کرتے ہوئے میدان عمل میں اتر کر سلسلۂ تبلیغ شروع فرمادیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں! کہ اعلان حق، اظہار صداقت، تبلیغ ہدایت، بہت اہم اور

برتر ہے لیکن یاد رکھئے! جس قدر یہ اہم و برتر ہے اس سے کہیں زیادہ یہ دشوار اور نازک تر بھی ہے۔ یہ مرحلہ تبلیغ بڑا ہی کٹھن مرحلہ ہے۔ اس کی ترویج و اشاعت کے لئے بڑی ہی پُر خار وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس راہ میں قدم قدم پر مصیبتوں، رکاوٹوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تبلیغ کرنے والوں کی راہوں میں کانٹے بھی بچھائے جاتے ہیں۔ تبلیغ کی پاداش میں گالیاں بھی سننا پڑتی ہیں، تبلیغ کے میدان میں پتھروں کی بارشیں بھی سہنا پڑتی ہیں، اس فریضے کی ادائیگی میں جسموں کا لہولہان ہونا بھی برداشت کرنا پڑتا ہے، طرح طرح کے مصائب و آلام کو گلے لگانا پڑتا ہے، تب کہیں جاکر تبلیغ کا کما حقہ، حق ادا ہوتا ہے لیکن ان تمام کٹھنائیوں سے گزر کر اس اہم فریضے کو انجام دینا یہ صرف اور صرف انہیں حضرات کا حصہ ہے جن کو رب کی جانب سے مخصوص صلاحیت و لیاقت اور ہمت و عزیمت کا تحفہ نصیب ہو چکا ہو۔ تاریخ کے اوراق پر ابھرے ہوئے ایسے انسان بھی نظر سے گزرے ہیں جنہوں نے مصائب و شدائد سے گھبرا کر مشکلات و پریشانیوں سے عاجز آکر اس فریضۂ اسلامیہ سے منھ پھیر لئے ہیں۔ مگر نبی و رسول کو رب تعالیٰ صبر و رضا، استقلال و استقامت، ہمت و عزیمت کی وہ اعلیٰ قابلیت عطا فرماتا ہے کہ اگر مخالفت کی تند و تیز آندھیاں ان کے مقدس دامن سے الجھ کر سلسلۂ تبلیغ کو منقطع کرنا چاہیں تو خود تو اپنا وجود کھو سکتی ہیں لیکن نبی کے پائے استقلال میں ذرا تزلزل پیدا نہیں کر سکتیں رسول کے اس عزم مصمم میں ذرا تذبذب پیدا نہیں کر سکتیں۔

کتب سیر کا مطالعہ کیجئے! آج بھی آپ کی راہ نمائی کے لئے تاریخ کے صفحۂ قرطاس پر ابھرے ہوئے نقوش چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں۔ یاد کیجئے جس وقت ہادیٔ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصلاح و ہدایت کا نمونہ بن کر تبلیغ اسلام کی خاطر قوم کے سامنے تشریف لائے تو اس وقت عام انسانوں کی طرح تلواروں کی دھاروں، نیزوں کی انیوں، برچھیوں کے پھلوں اور تیروں کی سوغات سے آپ کا استقبال کیا گیا۔ ان درندہ صفت انسان نما حیوانوں نے اپنی پوری پوری درندگی کا حق ادا کر دیا۔ اور پیارے رسول کے مقدس جسد اطہر کو زخمی اور چھلنی کر دیا۔ صرف اور صرف اس لئے کہ یہ عاجز اور پریشان ہو کر، زخموں سے چور ہو کر اپنی اس تبلیغ سے باز

آجائیں. لیکن قربان جائیے اس پیکرِ ہمت و استقامت پر کہ یہ ساری رکاوٹیں اور یہ تمام مصائب و آلام اس کے قدم استقلال میں ذرا لغزش پیدا نہ کرسکے وہ مقدس رسول ہر زبردست سے زبردست مصیبت و تکلیف کو پیکرِ ضبط و تحمل بن کر برداشت کرتے رہے. بڑی سے بڑی مصیبتوں اور کلفتوں کے اوقیانوس آئے مگر پیارے رسول کو تبلیغ و تذکیر سے باز نہ رکھ سکے

آئیے! آج اسی پیارے رسول کی کتاب حیات کا مطالعہ کرتے جائیے. وہ ہی پیارا رسول جس کے روح پرور ارشادات اور انقلاب آفریں تعلیمات نے خود فراموش انسان کو خود شناس بنا دیا، وہ ہی پیارا رسول جس نے انسان کے دل میں اپنی منزلِ رفیع پر پہنچنے کی بے چین تمنا پیدا کردی. ذرا دیکھئے اس کے اپنے شب و روز کیسے بسر ہوتے تھے اس کی اپنی معاشی اور سماجی زندگی کس رنگ و بو میں گزرتی تھی، وہ اپنے اخلاق و کردار کے کس اہم معیار پر قائم تھا؟ تو میں آگے کچھ عرض کرنے سے پہلے یہاں ایک شبے کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں. یاد رکھئے! "اخلاق" صرف رحمت و رأفت، تواضع و انکساری ہی کا نام نہیں میری نظر میں اخلاق کا یہ نہایت ہی محدود تصور ہے. بلکہ انتہائی اشتعال انگیز ماحول میں مچلتے ہوئے جذبات کو قابو میں رکھنا، باطل کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سر بلند کرکے سینہ سپر ہونا، اپنے مقصد حیات سے لازوال وابستگی اختیار کرنا، وفا کیش میدان جنگ، ناموافق ماحول میں بھی جرارت و ہمت کا اظہار کرنا، یہ سب کے سب اخلاق حسنہ ہی کے اہم ترین پہلو ہیں. آپ کی کتاب کا ہر ہر ورق جملہ مکارم اخلاق سے روشن و تابندہ ہے.

آپ کو یاد ہوگا! جس وقت پیغمبر اسلام نے دعوت حق کی ابتدا کرتے ہوئے پوری قوم عرب کو للکارا تو آپ کی للکار کی ہیبت سے باطل کے ایوانوں میں زلزلے آگئے ظالموں نے شمع حق کے پروانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کردی مگر ان کے دہکتے ہوئے ایمانی شعلوں کو خموش نہ کرسکے. ان پروانوں پر ظلم کے بادل برستے رہے، ستم کی بجلیاں کوندتی رہیں. لیکن قربان جائیے ان جاں نثارانِ رسالت پر کہ جبر و شقاوت کی برستی ہوئی برسات میں، ابتلاء امتحان کے ہر میدان میں صبر و استقامت، عزم و استقلال کے پیکر و مجسمے بنے ہوئے جبر و

استبداد آزمائش وامتحان کے ہر موڑ سے بانگ دہل یہ اعلان کرتے ہوئے گزر گئے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم ❊ سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

آخرکار جب اہل قریش نے دیکھا کہ محمد عربی کے دیوانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا ہی چلا جارہا ہے، آپکے ماننے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی ہی چلی جارہی ہے تو ایک دن سب اہل قریش جمع ہوکر جناب ابوطالب کے پاس پہنچے اور جاکر کہنے لگے کہ جناب ہم لوگ آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ کے بھتیجے محمد نے ہمیں بری طرح پریشان کر ڈالا ہے ہم سب کا جینا دشوار ہو چکا ہے۔ اس نے اپنا یہی پیشہ بنا لیا ہے کہ وہ ہمارے بتوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آبائی دین اور ہماری عزت وآبرو پر حملہ کرتا ہے ہمارے پرانے مذہب کو جڑوں سے اکھاڑنا چاہتا ہے، وہ اپنے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنا چاہتا ہے، ہمارے رفقاء واحباب کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لینا چاہتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جس مذہب کا وہ پرچار کر رہا ہے اس کے ماننے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اس کی طاقت وقوت میں دن بدن اضافہ ہوتا ہی چلا جارہا ہے۔ مگر چونکہ آپ ہماری جماعت کے بزرگ ہیں، ہماری قوم کے بڑے ہیں، ہم پر آپ کا احترام لازم ہے۔ اس لئے ہم نے اب تک بھی آپ کے بھتیجے کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے لیکن اب ہم اس کی ان باتوں سے عاجز آچکے ہیں۔ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلکنے کے قریب آچکا ہے لہٰذا اب مناسب یہی ہے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیے کہ آئندہ وہ ایسی حرکتیں نہ کرے۔ یا پھر اس سے پوچھئے کہ وہ اس فتنہ انگیزی اور اس شرارت سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ دولت چاہتا ہے تو اس سے باز آجائے ہم اس کے پاس خزانوں کے ڈھیر لگا دیں گے، اگر اسے کوئی رشتہ مطلوب ہے تو وہ اس اعلان کو چھوڑ دے ہم اس کی دامادی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھیں گے، اگر اسے بادشاہ بننے کا شوق دامنگیر ہے تو وہ اپنی اس تبلیغ سے رک جائے ہم اسے بدل وجاں اپنا سربراہ ماننے کو تیار ہیں لیکن وہ ان تمام باتوں کے باوجود بھی باز نہ آئے تو پھر اس کے بعد ہم آپ کا احترام باقی نہ رکھ سکیں گے۔ جناب ابوطالب نے قوم کی یہ پکار سننے کے بعد ان سے وعدہ کر لیا کہ ٹھیک ہے اب ہم اسے سمجھا دیں گے۔ قوم یہ عہد وپیمان لیکر چلی جاتی ہے اچانک کچھ ہی دیر کے بعد پیغمبر اسلام اپنے چچا کے پاس تشریف لے آتے ہیں۔ پیارے چچا پیارے بھتیجے کی جانب متوجہ ہوئے اور ابھی

گزرا ہوا قوم کا سارا واقعہ سنا کر انتہائی شفقت و محبت بھرے لہجے میں کہنے لگے اے دل کی ٹھنڈک پیارے بھتیجے میں ابھی تک قوم کا بھی بڑا گنا جاتا ہوں اور تمہارا بھی بڑا ہوں، اور اب میرے بڑھاپے کا وقت ہے، میں بہت ہی ضعیف و ناتواں ہو چکا ہوں۔ مجھ میں اب اتنی قوت و طاقت باقی نہیں رہی کہ تنہا ساری قوم کا مقابلہ کر سکوں اس لئے میں آج تم سے کہہ رہا ہوں کہ اب تم اپنی اس تبلیغ سے باز آجاؤ، ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو۔ ورنہ بات بڑھ جائے گی۔ جناب ابوطالبؑ یہ کہنا تھا کہ پیغمبر اسلام کا چہرہ فوری متغیر ہو گا اور نہایت رعب بھرے لہجے میں انتہائی جوش کے ساتھ فرمایا اے عم محترم! یہ اہل مکہ زر تو زر بادشاہت تو بادشاہت اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں اور پھر کہیں کہ اپنی اس تبلیغ سے باز آجاؤ۔ تو قسم ہے اس رب ذوالجلال جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ میں جب بھی اپنی اس تبلیغ حقانیت سے ہرگز ہرگز باز نہ آؤں گا۔ پیارے چچا! یہ سلسلۂ تبلیغ اس وقت تک باقی رکھوں گا جب تک کہ یہ پیغام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔ یا جب تک کہ میری زندگی کے دن پورے نہ ہو جائیں سبحان اللہ کیا جلالت ہے اس حسن و جمال میں، کیا تمکنت ہے پیکر علم و حکمت کے اس جواب میں ذرا اندازہ کیجئے پیغمبر اسلام کو اپنی اس تبلیغ سے کس درجہ محبت تھی۔ یہی وہ جذبات ہیں جو رکاوٹوں اور مخالفتوں کی مضبوط سے مضبوط تر چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں اور آگے بڑھ کر فتح و نصرت کی راہیں ہموار کر دیتے ہیں۔

پیغمبر اسلام کوہ صفا پر

آئیے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے یاد کیجئے اس منظر کو جس وقت پیغمبر اسلام نے کوہ صفا کو منبر بنا کر حق و صداقت رشد و ہدایت کا وہ عظیم الرتبت پیغام اہل عرب کو نام بنام پکار کر پیش کیا تھا آپ کا کوہ صفا کی بلند چوٹی سے اہل عرب کو پکارنا تھا کہ تمام کے تمام سیلاب کی طرح موجیں مارتے ہوئے کوہ کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں، ہر شخص اپنے ذہن و فکر میں یہ سوچتا ہوا چلا آ رہا ہے کہ نہ جانے آج محمد بن عبداللہ صفا کی چوٹی سے کیوں پکار رہے ہیں، نہیں معلوم آج انہیں کونسی اہم ضرورت پیش آگئی ہے۔ چلو چل کر دیکھیں آخر معاملہ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی اہم کام ہو، ہو سکتا ہے کہ کسی خاص بات کی اطلاع دینا مقصود ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہی لئے کوئی منفعت کی تدبیر سوچی ہو، چونکہ ان لوگوں کو چالیس سالہ تجربہ ہو چکا تھا کہ

محمد عربی انتہائی صادق و امین ہیں۔ یہ ضبط و تحمل کے پیکر ہیں۔ سنجیدگی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں آنے والوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک آیا، دوسرا آیا، گروہ کے گروہ قافلے کے قافلے آتے گئے یہاں تک کہ مجمع کی تعداد بہت وسیع ہو جاتی ہے۔ آنے والوں میں وہ بوڑھے قریش بھی ہیں جنہوں نے زمانے کو الٹتے پلٹتے ہوئے بھی دیکھا ہے، جنہوں نے لیل و نہار کی گردشوں کو بھی دیکھا ہے، جو اس وقت نہایت تجربہ کار لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آنے والوں میں وہ نوجوان بھی ہیں جو عہدِ طفلی سے گزر کر عہدِ شباب کی منزلوں کو چوم رہے ہیں جن کے دلوں میں ولولے اور سینوں میں مچلتے ہوئے جذبات نہاں ہیں۔ آنے والوں میں وہ بچے بھی ہیں جو ابھی ایامِ طفلی میں کھیل کود سے وقت گزارا کرتے ہیں۔ آنے والوں میں وہ بھی عورتیں بھی ہیں جو اپنی ننھی ننھی بچیوں کی شفقت و محبت کی لذتوں سے کوسوں دور نکل چکی ہیں۔ آنے والوں میں وہ بیوہ عورتیں بھی ہیں جو اپنے اپنے سہاگ لٹا چکی ہیں، آنے والوں میں وہ کنواری دوشیزائیں بھی ہیں جو ابھی تک اپنے اپنے شوہروں کی محبت بھری نگاہوں سے ناآشنا ہیں۔

الغرض جس کے کان میں بھی صدائے رسالت ﷺ ٹکراتی ہے خود بھاگا چلا آتا ہے یا پھر اپنے نائب کو بھیج دیتا ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ممکن ہے محمد نے دشمن کے کسی حملے کی خبر دینے کے لئے بلایا ہو۔ لہٰذا خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں کوئی نہ کوئی ہتھیار ساتھ ہونا چاہیئے معلوم نہیں کس وقت کہاں کیا ضرورت پیش آجائے۔ چنانچہ جس کے ہاتھ میں جو آیا وہ اسی کو لے کر چل دیتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی کے ہاتھ میں کوئی معمولی سی چھری بھی تھی تو وہ بصد شوق اسی کو لیتا ہے اور بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام انتہائی وقار و متانت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ صفا کی بلند چوٹی پر جلوہ افروز ہیں ہر چہار جانب قریش مکہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ٹکٹکی باندھے آپ کے نورانی رخ زیبا پر ملکوتی حسن کی زیارت کر رہا ہے۔ مجمع میں ظاہری طور پر انتہائی سکون و اطمینان نظر آرہا ہے لیکن باطنی طور پر انتہائی کرب و بے چینی کا عالم ہے آج مکہ کی پوری دنیا اس انتظار میں ہے کہ نہ جانے محمد عربی کی زبان فیض ترجمان سے کیسے پھول کھلیں گے سارا مجمع گوش برآواز ہے۔ یکایک لبہائے نبوت میں جنبش ہوتی ہے اللہ کا مقدس رسول فرماتا ہے ارایتم ان اخبرتکم ان خیلاً تخرج من صفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی۔ ارشاد رسالت ہوتا ہے کہ اے لوگو دیکھو میں قلعہ کوہ پر کھڑا ہوں اور تم سب اس کے نیچے ہو۔

سنو جس طرح میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں یقین جانو! بالکل اسی طرح میں اپنے دائیں بائیں پہاڑ کی دونوں طرف بھی دیکھ رہا ہوں، بتاؤ! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک ہتھیار بند لشکر دور سے آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے جس کا ارادہ ہے کہ تم لوگوں پر چڑھائی کرے تو کیا تم لوگ میری اس بات کو سچ جانو گے! اتنا فرمانا تھا کہ مجمع میں ایک شور بپا ہو جاتا ہے ہر طرف سے نعم ماجربنا علیک الاصدقا کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ پورا مجمع یک زبان ہو کر کہتا ہے کیوں نہیں! ضرور ضرور یقیناً ہم آپ کی کہی ہوئی بات کو سچ جانیں گے اس لئے کہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے سنا ہی نہیں۔ آپ تو انتہائی صادق و امین ہیں بھلا ہم آپ کو کیونکر جھٹلا سکتے ہیں اتنا اقرار کرانا تھا کہ۔ مجمع کی بے چینی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے وہ لوگ چاہتے تھے کہ محمد جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں وہ جلد سے جلد کہہ ڈالیں۔ کیونکہ ابھی ابھی ان کو ایک مسلح لشکر کے آنے کی خبر مل چکی تھی جس کی وجہ سے پورے مجمع میں کھلبلی مچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے تمام لوگوں میں کرب و اضطراب کی ایک لہر دوڑ چکی تھی۔

مکہ کا ہر ہر فرد و بشر آپ کی صداقت و امانت کا دل و جان سے معترف ہو چکا تھا۔ ان کے ذہن و فکر پر آپ کی حقانیت و سچائی کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ محمد اپنے دل سے گڑھ کر کچھ نہیں کہتے ہیں۔ جس قافلے کی خبر انہوں نے دی ہے وہ یقیناً ہمارے اوپر چڑھائی کرنے کے لئے آرہا ہوگا وہ اندر ہی اندر سوچ رہے تھے کہ غالباً محمد اب ہم کو ان حملہ آوروں سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی تدبیر بتائیں گے۔ چونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ محمد عربی جہاں حد درجہ کے صادق و امین ہیں وہیں وہ اعلیٰ درجے کے مفکر و مدبر بھی ہیں، وہیں وہ ہوش و فراست کے پیکر بھی ہیں۔ دوستو! ذرا کلام رسالت کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ لگائیے۔ قربان جائیے انداز رسالت پر، آقا سب سے پہلے چند ہی لفظوں میں اپنی حقانیت کا سکہ ان کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں ان کی زبانوں سے اپنی صداقت کا اقرار کرا لیتے ہیں پہلے اپنے آپ کو خوب منوا لیتے ہیں اس کے بعد نبوت کا اظہار فرماتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے اور دیکھئے کہ ان مختصر سے دو ہی جملوں میں نگاہ نبوت کی کیسی خوبصورت مثال پیش کی گئی ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ کا مقدس نبی دنیا و آخرت کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح ایک پہاڑ پر چڑھنے والا پہاڑ کے دونوں سروں کو یکساں دیکھتا ہے۔ مگر اہل دنیا آخرت کو اسی طرح نہیں دیکھ سکتے جس طرح کہ ایک طرف سے دامن کوہ میں کھڑا ہونے والا شخص پشت کوہ نہیں دیکھ سکتا۔ نیچے رہنے والے کو اس پار کی ہر چیز اوپر کھڑے ہونے والے کی زبان ہی سے اگر وہ سچا ہو تو تسلیم کرنا پڑتی ہے پیغمبر اسلام

اس تمہید کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! سن لو موت تمہارے سر پر کھڑی ہے یقین کر لو ایک نہ ایک دن تم سب کو رب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے کئے ہوئے اعمال کا حساب و کتاب ہونا ہی ہے۔ قیامت ضرور ضرور قائم ہونی ہی ہے۔ اپنے کئے کی جزا و سزا ملنی ہی ہے۔ او اے سردارانِ قریش سن لو! یہ باتیں میں ہرگز ہرگز اپنی طرف سے گڑھ کر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ان تمام باتوں کا میں اس طرح مشاہدہ کر رہا ہوں جس طرح تم سب مجھے اور اپنے سامنے والی تمام اشیاء کو دیکھ رہے ہو، میں عالم آخرت کو بھی اسی طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح تم اس دنیا اور اس کی چیزوں کو دیکھ رہے ہو۔ اللہ اکبر ذرا اندازہ کیجئے علم نبوت کا۔ کہاں ہیں وہ ظالم؟ جو علم رسالت کو پاگلوں، مجنونوں بچوں، اور معاذ اللہ چوپایوں کے علم سے تشبیہ دیتے ہیں کہاں ہیں وہ غداران رسالت؟ جو علم نبوت کو شیطان لعین کے علم کے مقابلے میں کم اور ناقص قرار دیتے ہیں سن لیں وہ لوگ! اور کان کھول کر سن لیں! اللہ نے اپنے اس حبیب کو ابتدائے آفرینش سے لے کر دخول جنت تک کے سارے علوم غیب عطا فرما دیئے ہیں جس کے ثبوت میں قرآن کی بے شمار آیتیں شاہد ہیں لیکن نظر آنے کے لئے ضرورت ہے نگاہِ محبت کی۔ ارے آپ سے اور کوئی غیب کیا پوشیدہ رہ سکتا ہے جب غیب الغیوب رب کائنات ہی پوشیدہ نہ رہ سکا اسی مفہوم کو سیدنا سرکار اعلیٰحضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سلکِ نظم میں پروتے ہوئے کیا ہی خوب ارشاد فرماتے ہیں ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا ∴ جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

پیغمبر اسلام کا یہ پیغام ان بت کے پجاریوں کے لئے ایک عجیب سا پیغام تھا ان لوگوں کے دل و دماغ میں کبھی یہ خیال بھی نہ گزرا تھا کہ اس دنیا کے علاوہ آخرت بھی کوئی چیز ہے ان کے مفکروں نے تو ان کے ذہن و فکر کے گوشے گوشے میں یہ بات اتار دی تھی ؎

مٹی میں مل کر اور پھر زندہ ہونا یہ کیا؟ ∴ خرافات ہے؟ دیوانوں کی سی باتیں

بدبخت ابو جہل جو اپنے گدھے پر سوار تھا، کھجور کی چھڑی سے خاک اڑا کر کہنے لگا صرف اتنی سی بات کہنے کے لئے اتنے بہت سے آدمیوں کو تکلیف دی ہے دوسرے لوگ بھی واپس ہوتے ہوئے آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ جگہ جگہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ کیا ہو گیا آج محمد بن عبد اللہ کو صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کے ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جن کو ہمارے کانوں نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ غرض کہ طرح طرح کی باتیں سامنے آنے

لگیں لیکن پیغمبر اسلام ان تمام باتوں کو اپنے قدم استقلال سے روندتے ہوئے تبلیغ عام فرمادیتے ہیں گلی گلی کوچہ کوچہ، ڈگر ڈگر، نگر نگر، بازاروں، چوراہوں، شاہراہوں، عام راہوں پر اعلان ہو رہا ہے کہ اے لوگو تمہاری یہ پریشانیاں جن کو تم شجر و حجر کے سامنے جھکا رہے ہو، دریا کی بیقرار لہروں کے روبرو ختم کررہے ہو، بھڑکتی آگ کے شعلوں کو نذر کر رہے ہو۔ دیکھو! یہ تمام چیزیں فانی ہیں انہیں کبھی بقا نہیں۔ یہ ہرگز ہرگز عبادت کے لائق نہیں لہٰذا تم لوگ ان فانی چیزوں کی عبادت نہ کرو۔ بلکہ اس ذات واجب الوجود کی عبادت کرو جس کو کبھی فنا نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی وہی ذات عبادت کے لائق ہے وہی تمہارے ان سجدوں کے لائق ہے تبلیغ رسالت کا عام ہونا تھا کہ اہل عرب کے سکھ وچین تباہ ہو گئے۔ محمد عربی سے بچنے کے لئے طرح طرح کے طریقے اپنائے گئے پورے مکے میں اعلان کرا دیا گیا کہ اے لوگو عبداللہ کے بیٹے محمد کی باتوں میں آکر اپنے آباء و اجداد کا دین مت چھوڑنا، اپنے اسلاف کے طریقوں سے قدم مت ہٹانا۔ وہ لوگ بے وقوف نہیں تھے تم سے زیادہ جانتے تھے وہ نادان نہیں تم سے کہیں زیادہ دانا و بینا تھے وہ بے عقل نہیں تم سے زیادہ عقلمند تھے انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر ہی یہ راستہ اختیار کیا ہوگا۔ اور پھر جن بتوں نے صدیوں سے تمہاری حاجت روائی کی ہو، جن بتوں نے آڑے وقت میں تمہارا ساتھ دیا ہو ان سے اس طرح منھ موڑ لینا کس قدر شان مروت اور احساس شناسی کے خلاف ہے۔ سنو! بہادر اور لائق مردوں کی ایک زبان ہوتی ہے جس کو ایک بار بزرگ اور بڑا کہہ دیا بس ساری زندگی اس کی بزرگی کے گیت گاتے رہیں گے انہیں بد تصورات اور توہمات نے پیغمبر اسلام کی آواز کو دل تک پہنچ پہنچ کر واپس کر دیا۔ لیکن قربان جائیے اس مقدس نبی کے ۲۳ سالہ دور نبوت پر کہ ان ساری رکاوٹوں اور ان ساری مخالفتوں کے باوجود صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں آپ کے وصال کے وقت روئے زمین پر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار کا قافلہ ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر ترقی کی راہوں کو عبور کرتا ہوا رواں دواں نظر آتا ہے۔ اللہ کے وہ مقدس خوش نصیب بندے جن کو سب سے پہلے ایمان لانے کی توفیق رفیق نصیب ہوئی اور جو سب سے پہلے اسلام کی سعادت مندی سے سرفراز ہوئے۔ (۱) آزاد مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر بن قحافہ۔ (۲) بچوں میں سب سے پہلے سیدنا علی بن ابو طالب۔ (۳) عورتوں میں سب سے پہلے سیدتنا خدیجہ بنت خویلد۔ (۴) موالی میں سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہ (۵) غلاموں میں سب سے پہلے سیدنا بلال حبشی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان کی آغوش میں

آئیے میں اپنے اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ عرض کرتا چلوں۔ ذرا تعصب کی عینک اتار کر چشمانِ ایمانی سے مطالعہ کیجئے خدا کی قسم حرارت ایمانی مچل اُٹھے گی۔ اگر آپ رسول عربی کی کتاب صبر و رضا پڑھنا ہی چاہتے ہیں تو پہلے دل پر پتھر کی سل رکھ لیجئے اس کے بعد ورق حیات النبی ﷺ عجب عجب مناظر نظر سے گذریں گے۔ اگر اس سے قبل آپ نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو مجھے امید ہے کہ تاریخ کا وہ روح فرسا تراشا ذہن و فکر سے محو نہ ہوا ہو گا کہ جب کعبۃ اللہ میں اس مدنی چاند کی مبارک گردن میں چادر ڈال کر اس زور سے دبائی گئی کہ چشمان مبارک اُبل آتی ہیں۔ تاریخ کا وہ دل خراش گوشہ بھی نظر سے گذرا ہو گا کہ حالت سجدہ میں اونٹوں کی اوجھڑیاں بھی سر اقدس پر ڈال دی جاتی تھیں۔ غرض کہ ہر وہ ستم جو کبھی کسی عام انسان پہ بھی روا نہ سمجھا گیا ہو۔ اس کو آپ پر آزمانا باعث فخر تصور کیا جانے لگا تھا۔ پڑھیئے! اور جگر تھام کر پڑھیئے!! ابو جہل گالیاں دے رہا ہے ابولہب مضحکہ اڑا رہا ہے، عتبہ و شیبہ خبیث تالیاں بجا رہے ہیں۔ ابن قمیہ اور ابن حمید ایذا رسانی میں حد غایت کو پہنچ چکے۔ ام جمیل خبیثہ کی تخم پاشی عناد اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ شب بھر جنگل میں سرگرداں پھر کر خار و خسک کا گٹھر باندھ کر لاتی ہے اور اس مدنی چاند کی راہ گذر میں بکھیر دیتی ہے محض اس نیت سے کہ جب بھی محمد عربی اس راہ سے گذریں تو یہ کانٹے ان کے پائے مبارک کو ایذا پہنچا ئیں۔ آیئے اور آگے آیئے! سرزمین مکّہ سے گذر کر منفرہ جیجون کی طرف چلیے۔ مگر چھری لے کر پہلے جگر کے ٹکڑے کر لیجئے اس کے بعد اس دردناک منظر کا نظارہ کیجئے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک موقع پر مدنی تاجدار منفرہ جیجون کی طرف تشریف لے جانے کا عزم فرماتے ہیں۔ اچانک کسی

ذریعہ اس سفر کی خبر صنادید قریش تک پہنچ جاتی ہے۔ خبر کا پہنچنا تھا کہ ابوجہل بدبخت اپنے ہمراہ عدی بن حمرا، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن ولید، ابن تمیہ، ابن حمید اور ان جیسے چند سیاہ رو اشقیا کو لے کر راستہ میں رو پوش ہو جاتا ہے۔ ادھر پیغمبر اسلام گورستان جیجون کے لیے سفر شروع فرما دیتے ہیں چلتے چلتے جب اس راہ سے گذرتے ہیں تو یہ سب کے سب دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس مدنی چاند کو سیاہ بادل کی طرح گھیر لیتے ہیں۔ گالیاں دے دے کر انتہائی سخت وسست بکنے لگتے ہیں لیکن آپ ہیں کہ مجسم رحم وکرم بن کر قرآنی تعلیم کے مطابق اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما خاموشی اختیار فرماتے ہوئے گذر جاتے ہیں اور انھیں سوائے سکوت کے کوئی جواب نہ دیتے ہوئے طول وحزیں گورستان جیجون میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن ادھر ان ظالموں کی آتش شرارت اب بھی خاموش نہ رہ سکی شقاوت قلبی پھر جوش مارتی اور ابوجہل خبیث اپنے حواریوں کو ہمراہ لے کر یہاں بھی آجاتا ہے آتے ہی اقوال قبیحہ رذیلہ بکنے لگتا ہے۔ ہمراہ آنے والے خبثاء پتھر برسانے لگتے ہیں ہر چہار جانب سے پتھروں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ آخر کار جسد نوری مجروح ہو جاتا ہے۔ تمام کپڑے خون میں رنگ جاتے ہیں اور اسی حالت میں آپ اپنے نسبی چچا حمزہ کے گھر کی جانب رخ کر کے گورستان جیجون سے چل دیتے ہیں۔ واقعہ کی شہرت پورے مکہ میں بجلی کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ آج حمزہ کو شکار میں گئے بے خواب وخورش تقریباً تین روز گذر جاتے ہیں مگر صحرائے نوردی بیابان گشتی کے سوا کوئی شکار نہیں پاتے ہیں۔ مجبوراً تین روز مکمل گذار کر آج واپسی کا ارادہ کر کے گھر کی جانب چل پڑتے ہیں۔ نہایت درجہ پریشانی کا عالم ہے۔ جوں ہی حمزہ مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو اچانک عبداللہ جدعان کی لونڈی کی نظر آپ پر پڑ جاتی ہے وہ دیکھتے ہی دور ہی سے طعنہ زنی کرتے ہوئے پکار اٹھتی ہے اے حمزہ! شکار ہیں سے کیا لائے؟ وہاں سے خالی ہاتھ لٹکاتے ہوئے آ رہے ہو۔ کچھ معلوم بھی ہے آج خاندان ہاشمی پر جو انتہائی عار کا داغ لگ چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ

شکار کے نفیع میں رہے گا۔ اتنا سننا تھا کہ حمزہ کے حواس باختہ ہو گئے ذہن و دماغ پر حیرت
واستعجاب کی ایک لہر سی دوڑ گئی اور نہایت ہی متحیرانہ انداز میں دریافت کرنے لگے کہ
کیا ہوا؟ لونڈی نے فوری بلا کسی تامل کے گذشتہ سارا درد بھرا واقعہ سنا ڈالا۔ واقعہ
کے سنتے ہی چہرہ متغیر ہو گیا اور اس قدر غصہ آیا کہ کچھ تفصیل سے بات نہ کرتے ہوئے
فوری گھر میں چلے گئے اندر جا کر کھانا طلب کیا۔ بیوی نے دسترخوان بچھا کر جو کھانا موجود تھا
سامنے رکھ دیا۔ حمزہ کھانا شروع ہی کرنا چاہتے تھے کہ اچانک نظر بیوی پر پڑ جاتی
ہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بیوی کی آنکھوں سے اشکِ خونی رواں ہیں۔ دیکھ کر حیران و ششدر
رہ گئے اور حیرت بھرے لہجے میں دریافت کرنے لگے کہ کیوں روتی ہو؟ بیوی جواباً کچھ
کہنے کے لیے لبوں کو جنبش دیتی ہیں مگر کچھ سوچ کر لبوں کی حرکت پھر خاموشی سے
بدل جاتی ہے۔ حمزہؓ پھر سوال کرتے ہیں کہ جلدی بتاؤ دیر نہ کرو بیوی اشکوں کو دامن
میں جذب کرتے ہوئے لرزتی ہوئی زبان سے دھیمی آواز میں جواب دیتی ہیں کہ اے
ابو عمارہ! کیسے نہ روؤں؟ ایک یتیم تمہارے یتیموں کا تمہارے ہوتے ہوئے یوں شکار
بلا و مصائب بنے اور تم کو سیر و شکار سے فرصت نہ ملے سنو! جو تکالیف و ایذائیں اسے پہنچائی گئی ہیں
اگر وہ تمہارا صرف رضاعی بھائی ہی ہوتا تب بھی تم یہ تکالیف و ایذائیں اسکے لئے برداشت نہیں کر سکتے
تھے۔ چہ جائیکہ آسمان نبوت و رسالت کا آخری چشم و چراغ، نور دیدۂ ہاشم سرورِ سینہ عبد المطلب ہو کر اس
طرح مصیبتوں میں گھرے اور تم مزے میں آرام سے شکار کرتے پھرو اور دسترخوان پر بیٹھ کر خوب اطمینان سے پیٹ
بھر کر اٹھو۔ حمزہ کی بیوی جذبات میں آ کر ذرا آواز کو اور بلند کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اے
ابو عمارہ! آواز دو اپنی غیرت کو، کہاں گئی خون ہاشمی کی حرارت، کیا تمہاری رگوں میں
خون ہاشمی سرد ہو چکا ہے کیا آج خون کی سرخی سفیدی میں بدل چکی ہے بیوی کے
یہ تیور اور ان کی یہ درد بھری گفتگو سننے کے بعد حمزہ کی بے چینیوں میں اور اضافہ
ہو جاتا ہے اور انتہائی بیتابی کے ساتھ کہنے لگتے ہیں کہ جلد بتاؤ اور صاف صاف کہو
کس کے ساتھ کیا ہوا؟ بیوی اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کانپتی ہوئی زبان سے
کہنے لگیں۔ کیا بتاؤں! کوہ غم سر پر ہے۔ آہ درد سینہ سے پے در پے جاری ہے کس

طرح کہوں !! آج ابوجہل نے تمہارے برادر زادہ محمد پر اس قدر پتھر برسائے ہیں کہ تمام جسم خون سے رنگا ہوا ہے۔ پورا جسم زخموں سے چھلنی ہوچکا ہے۔ حمزہ گفتگو کو جلد ختم کرتے ہوئے مختصر انداز میں فرمانے لگے۔ آخر یہ سب کچھ کیوں کر ہوا؟ بیوی کہنے لگیں۔ پوری تفصیل کا علم مجھے بھی نہیں۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ ابوجہل نے اپنی ایک جماعت کے ساتھ اس کو کسی جگہ گھیر لیا تھا اور پھر اس قدر زدوکوب کیا ہے کہ اس کی مبارک پیشانی سے خون رواں ہوگیا ہے۔ اس کے ان رخسارۂ نوری کو جن سے آفتاب و ماہتاب شرماتے ہیں۔ بڑی ہی بے رحمی کے ساتھ روندا ہے۔ کیا کیا بتاؤں!! ان ظالموں نے تو آج اس پر طرح طرح کے مظالم آزمائے ہیں۔ پیارے شوہر ٹھیک ہے ہم ایمان نہیں لائے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے اس کی نبوت و رسالت کا ہم اقرار نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن سنو! کیا خونی رشتہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ کیا خونی رشتے کا کچھ پاس نہیں ہوا کرتا ہے۔ کیا تمہارا برادر زادہ چمنستان ہاشمی کا کھلتا ہوا ایک پھول نہیں ہے کیا تمہارے اس بھتیجے کی بے حرمتی تم سب کی توہین نہیں ہے۔ آج اہل مکہ نے تمہارے بھتیجے پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ یاد رکھنا کل کو وہی ظالم تمہارے اوپر بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جاؤ اور ان ظالموں سے آج ہی انتقام لو۔ اگر ابھی تم نے ان لوگوں پر قابو پالیا تو یاد رکھنا ہمیشہ ہمیشہ سکون و اطمینان سے رہو گے۔ ورنہ زندگی بھر پچھتانا پڑے گا۔ بیوی کی یہ پُر معنی گفتگو سنتے ہی حمزہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے سر پکڑ کر کہتے ہیں۔ افسوس! ذرا بتاؤ تو ان کے چچا ابوطالب اس وقت کہاں تھے؟ بیوی عرض کرتی ہیں کہ وہ اس وقت جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے اور انہیں اب تک بھی اس قصہ کا علم نہیں ہے۔ حمزہ ذرا تیور بدل کر کہتے ہیں اور ابولہب کہاں تھا؟ بیوی عرض کرتی ہیں کہ اس خبیث نے تو خود امداد دی ہے۔ وہاں وہی ایک ایسا بدبخت تھا جو چیخ چیخ کر پکار رہا تھا کہ ہاں مارو! اور مارو! یہی ہے وہ جھوٹا جادوگر جو مکہ کی پوری دھرتی پر تفرقہ کی ہوا پھیلا رہا ہے۔ یہ سن کر حمزہ کے جذبات اور بھڑک جاتے ہیں۔ حمزہ بجلی کی طرح کڑکتے ہوئے چیخ کر کہتے ہیں در عباس

کہاں تھے؟ بیوی نہایت ہی درد بھرے لہجے میں کہنے لگیں کہ ہاں! عباس تو پروانہ وار اس
شمع نبوت کے ارد گرد پھر رہے تھے کہ رحم کرو، رحم کرو، مگر ان کی کون سنتا تھا۔ یہ سنتے
ہی حمزہ کا خون اور دودھ جوش مارنے لگتا ہے۔ حمزہ فرط غم سے رونے لگتے اور اسی
طرح تین روز سے فاقہ کیئے دستر خوان سے اٹھ جاتے ہیں اور اپنے ان اشکوں کو دامن
میں جذب کرتے ہوئے کہنے لگتے ہیں کہ اس وقت تک مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب
تک ان بے ایمانوں سے اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لے لوں۔ یہیں پر میں یہ حقیقت بھی واضح
کر دینا چاہتا ہوں کہ حمزہ اب تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود
فرط عشق کا یہ عالم ہے کہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ حمزہ انتقام کا جذبہ لے کر
تلوار ہاتھ میں لیئے مکان سے باہر آ جاتے ہیں۔ اوّل پیغمبر اسلام کو تلاش کرتے ہیں
چنانچہ معلوم کرنے پر لوگوں نے مسجد حرام کا پتہ بتایا۔ آپ وہیں سے دیوانہ وار مسجد
حرام میں آ جاتے ہیں۔ آ کر دیکھتے ہیں کہ آقا خانہ کعبہ کے آگے سر جھکائے رونق افروز
ہیں۔ حمزہ قریب آئے اور عرض کی السلام علیک یا ابن اخی اس کے بعد کہنے لگے اے
بھتیجے میں نے سنا ہے کہ کفار قریش نے تمہارے اوپر پتھروں کی بارش کی ہے۔ ان
لوگوں نے تمھیں اپنے تیروں کا نشانہ بنایا ہے۔ ظالموں نے تمہارے اوپر تلواروں کی
بارش کی ہے۔ ذرا بتاؤ تو کس کس نے یہ ایذائیں پہنچائی ہیں۔ کون ہے وہ جس نے
تمہارے اوپر تیر چلائے ہیں۔ کس کی ہمت و جرأت ہے جو خاندان ہاشمی کے کسی بھی
فرد پر تیر تو تیر انگشت نمائی بھی کر سکے۔ پیارے بھتیجے ملول و حزیں ہونے کی ضرورت
نہیں جلدی بتاؤ اب تمہارا جاں نثار چچا حاضر ہے۔ ابھی سب کو تہ تیغ کر کے آتا ہے
لیکن قربان جائیے ان لبہائے مقدسہ پر کہ جب جنبش ہوئی تو ان مبارک لبوں نے
سلک گوہر صدف دیدہ تر سے ڈالے اور ایک سرد آہ دل پُر درد سے کھینچ کر فرمایا چچا
جائیے، اپنا کام کیجیے غریب، یتیم بیکس کا نہ بھائی ہوتا ہے نہ کوئی برادر نہ چچا ہوتا ہے نہ کوئی یاور
نہ مونس ہوتا ہے نہ کوئی غم خوار، نہ محرم ہوتا ہے نہ کوئی غم گسار، نہ ناصر ہوتا ہے نہ
کوئی مددگار، نہ عزیز ہوتا ہے نہ کوئی رشتہ دار۔ چچا آج میرا بھی یہی حال ہے۔ دو

تک مجھے کوئی اپنا نظر نہیں آرہا ہے۔ آج میں تنہا ہوں۔ میرے ساتھ صرف اور صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ ہے اور وہی مجھے کافی ہے مزید تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ حمزہ ایسا غیر متوقع جواب سن کر حیران رہ گئے مگر مجال نہیں تھی کہ انچ بھر بھی ہٹ جاتے کیوں کہ حمزہ پر شاہ بطحا کا کچھ ایسا رعب طاری ہو چکا تھا کہ غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے کھڑے ہوتے رہے۔ حمزہ جوش محبت میں آگے بڑھے اور معذرت چاہنے لگے اور نہایت ہی محبت و شفقت بھرے انداز میں کہنے لگے پیارے بھتیجے مجھے خبر ہی بخدا اب ہوئی ہے۔ میں تین روز سے شکار کے لیے گیا ہوا تھا لہٰذا جلد پتہ بتائیے اب تاب ضبط نہیں ہے، رگوں میں خون ہاشمی کھول رہا ہے۔ میں طے کر چکا ہوں کہ جب تک ان ظالموں سے انتقام نہ لے لوں گا اس وقت تک میرے لیے کھانا پینا حرام ہے پیارے بھتیجے تمہارے رب کی قسم جب تک ان کے سروں کو ان کے جسموں سے جدا نہ کر دوں گا اس وقت تک سانس نہیں لوں گا جب تک ان شریروں کے خون کو مکہ کی نالیوں میں پانی کی طرح نہ بہا دوں گا اس وقت تک اپنی تلوار کو نہیں روکوں گا، جب تک ان کی لاشوں کو سڑکوں پر بچھا کر آپ کو خوش نہ کر لوں گا اس وقت تک باز نہیں آؤں گا۔ چنانچہ حمزہ معلوم کر لینے کے بعد اسی وقت ابو جہل کی تلاش میں چل پڑتے ہیں۔ شام کا وقت ہو چکا ہے یہ وقت قریش کے پوجا کرنے کا وقت ہے۔ حمزہ چلتے چلتے سوچنے لگے کہ ابو جہل اس وقت بت خانے میں پوجا کر رہا ہو چلو بت خانے ہی چلا جائے حمزہ بت خانے کا رخ کر لیتے ہیں۔ ادھر بت خانے میں لوگ بتوں کے آگے سر جھکائے سجدے میں پڑے ہیں۔ ادھر ابو جہل نہایت کر و فر کے ساتھ اپنے حلقہ احباب میں بیٹھا ہوا ڈینگیں مار رہا ہے، اپنے نشانے کی تعریف پر حاضرین سے داد لے رہا ہے، دین اسلام پر تبصرے ہو رہے ہیں۔ بات بات پر قہقہے بلند ہو رہے ہیں۔ غرض کہ مضحکہ کی محفل پوری آن بان کے ساتھ گرم ہے۔ اچانک محفل میں حمزہ پہنچ جاتے ہیں اور دیکھتے ہی کمان اٹھا کر اس زور سے ابو جہل کے سر پر مارتے ہیں کہ اس کا سر پھٹ جاتا

ہے وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ حمزہ درہیں غضب آلود آواز میں گرجتے ہوئے کہتے ہیں! او بدبخت ابوجہل سن۔ تو نے میرے بھتیجے پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے ہیں اس کو لہولہان کر ڈالا ہے۔ یاد رکھنا! اور اپنی جماعت سے بھی کہہ دینا کہ آئندہ کوئی اس پر تلوار تو تلوار نگاہ بھی نہ اٹھائے ورنہ اس کی آنکھیں نکال لی جائیں گی۔ آج سے اس کو حمزہ کی سرپرستی حاصل ہو چکی ہے۔ اگر کچھ کہنے کی ہمت و جرأت ہو تو میرے سامنے کہنا۔ اگر کچھ دم خم رکھتے ہوں تو حمزہ کے سامنے دکھانا۔ اتنا کہنا تھا کہ پوری محفل میں سناٹا چھا گیا۔ حمزہ اپنے وقت کے پورے جنگجو اور مشہور پہلوان تھے۔ پورے مکہ میں ان کی بہادری اور دلیری کے سکے بیٹھے ہوئے تھے۔ بھری محفل میں کس کی مجال تھی جو حمزہ کی جانب نظر بھر کے دیکھ سکے۔ حمزہ اپنا کام کر کے وہاں سے خوشی خوشی بارگاہ رسالت میں پھر حاضر ہو جاتے ہیں اور انتہائی مسرت بھرے لہجے میں کہتے ہیں کہ پیارے بھتیجے اب تو تم کو خوب خوش ہو جانا چاہیے آج میں نے تمہارے دشمن بدکار ابوجہل سے تمہارا انتقام لے لیا ہے۔ اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری ہے کہ اس کا سر پھٹ گیا ہے وہ لہولہان ہو گیا ہے اب تک اسے ہوش نہیں آیا ہے اور اب وہ اور اس کے سارے رفقاء اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ آئندہ کبھی بھی آپ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت تک نہ کر سکیں گے۔ پیارے آقا پیارے چچا کی یہ گفتگو سن کر ارشاد فرماتے ہیں۔

اے عم محترم! خدا کی قسم اگر تم انھیں واقعی اپنی تیغ آبدار سے نیست و نابود تک کر دو گے انھیں مار مار کر ان کے نام و نشان تک صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالو گے تو تمہارا یہ کام میرے لیے کچھ باعث تسکین نہیں۔ اگرچہ تم نے تلوار کا جواب تلوار سے دے دیا ہے۔ انھیں لہولہان کر ڈالا ہے۔ ان سب کو مرعوب کر لیا ہے لیکن میں تمہاری ان باتوں سے قطعاً خوش نہیں۔ ہاں اگر مجھے راضی کرنا منظور ہے اور میرے جراحتہائے دل پر مرہم رکھنا ہی چاہتے ہو مجھے خوش دیکھنا ہی چاہتے ہو تو سنو! پیارے چچا! صدق دل سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار کر لو میری نبوت و رسالت کو حق مان لو۔ یہ سن کر حمزہ کے چہرہ پر کچھ مسکراہٹ نمودار ہوئی

اور فوری فرطِ عشق میں کہنے لگے۔ اے جانِ عم اگر میں یہ کلمہ پڑھ لوں تو کیا آپ خوش ہو جائیں گے اور میرے سامنے اس کملائے پھول کو تبسم ریز ہنسی سے کھلتا ہوا دکھا دیں گے حمزہ کی یہ پیاری گفتگو سن کر آقا کے لبوں پر بھی ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی اور تبسم کی گھنی چھاؤں میں انتہائی متانت و لطافت بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ ہاں! بے شک میری خوشنودی رضامندئ خدا پر موقوف ہے۔ اتنا سننا تھا کہ حمزہ کے دل کی دنیا بدلنے لگتی ہے، حرارتِ ایمانی جوش مارنے لگتی ہے، اسلامی جذبات مچلنے لگتے ہیں دل سے غفلت کے پردے ہٹنے لگتے ہیں۔ آخر کار حمزہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یقیناً یہ کوئی اللہ کا سچا نبی ہی ہو سکتا ہے۔ یقیناً یہ کوئی اللہ ہی کی جانب سے بھیجا ہوا سچا رسول ہی ہو سکتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ لوگ تلواریں چلا رہے ہیں اور یہ معاف کر رہا ہے لوگ تیر برسا رہے ہیں اور یہ دعائیں دے رہا ہے۔ لوگ اس پر لید و گوبر ڈال رہے ہیں اور یہ درگذر فرما رہا ہے۔ لوگ عین حالتِ سجدہ میں اس کے شانوں پر اونٹوں کی اوجھڑیاں ڈال رہے ہیں مگر اس کے باوجود یہ پھر بھی دعاء ہدایت فرما رہا ہے، لوگ اس کی راہوں میں کانٹے بچھا رہے ہیں۔ مگر یہ پھر بھی ان کی راہوں میں پھولوں کی ڈالیاں نچھاور کر رہا ہے۔ حمزہ یہ سوچتے ہی سوچتے چند ہی لمحوں میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو جاتے ہیں فللہ الحمد علیٰ ذالک

جس طرف چشمِ محمدؐ کے اشارے ہو گئے
جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہو گئے

الغرض سیرۃ النبی کا موضوع اس قدر وسیع و عریض ہے کہ صدہا سال سے لے کر تا دم ایں لاکھوں سیرت نگار اس منصۂ شہود پر ابھرے اور اپنی اپنی علمی بساط کے مطابق طبع آزمائی کرتے ہوئے اس بحرِ بے کنار میں غوطہ زن ہوئے اور روپوش ہو گئے۔ بڑے بڑے فصیح اللسان آج تک کما حقہ مقامِ مصطفےٰ بیان کرنے کا کلی دم نہ مار سکے، بلند پایہ قلم کار مقامِ مصطفیٰ کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے سے آخری لمحات تک قاصر رہے ارے جس کا مقام "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" ہو اس کی رفعتوں کا تعین کون

کرسکتا ہے جس کا یہ مقام کہ وہ رخ بدلے تو قبلہ بدل جائے، وہ ہاں کہہ دے تو فرضیت ثابت ہوجائے، وہ منع کردے تو حرمت لازم ہوجائے۔ اس کا منشا خدا کی مرضی کہلائے ادب اتنا کہ اس کی آواز پر آواز کا بلند کرنا غضبِ الٰہی کا باعث بن جائے۔ وہ دستِ اقدس پھیر دے تو سیاہ چہرہ جمالِ یوسفی کا آئینہ دار بن جائے۔

اس کی عظمتوں کا اندازہ کوئی کیسے کرے۔ جس کا جاگنا سب کی عبادت، جس کی نیند خدا کی زیارت وہ ہر گمراہ کے لیے کاملِ ہدایت، وہ ہر نہ جھکنے والے سر کے لیے نذیر وہ ہر خدا کے آگے جھکنے والے کے لیے بشیر، وہ ہر بھٹکے ہوئے کے لیے صراطِ مستقیم، وہ ہر امتی کے لیے شفیع، وہ ہر ظلمت کے لیے نور، وہ ہر بے شعور کے لیے برہان، جس کا اعلان خدا کا قرآن، جس کی زبان خدا کا فرمان، جس کا فرمان خدا کا فرمان،

ارے اس کی بلندیوں کو کوئی کیا گنے! اس کی رفعتوں کو کوئی کیا شمار کرے جس کے ہاتھوں کی ایک جنبش سے مہر و ماہ گردش میں آجائیں جو خاک کی مٹھی اٹھا کر پھینک دے تو چہرے بگڑ جائیں۔ کیا ہی خوب فرماتے ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

تیرے وصف عیب تناہی سے بری　　حیران ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

فرشتے محوِ حیرت ہیں۔ وہ رسول جو کبھی طائف کی وادی میں مظلومیت سے پتھر کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو کبھی جبلِ احد کی گھاٹیوں میں اپنے نورانی چہرے سے لہو صاف کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ نیاز کا عالم یہ ہے کہ ساری رات مصلے پہ کھڑے روتے روتے گذر جاتی ہے اور ناز کا عالم یہ ہے کہ بدر کے میدان میں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مولیٰ! اگر آج تیری یہ جماعت ہار گئی تو قیامت تک تیری پرستش نہ ہو سکے گی تواضع کا عالم یہ ہے کہ کھجور کی ننگی چٹائی پر لیٹتے ہیں تو چٹائی کے نشانات بدن مبارک میں نقش کر آتے ہیں۔ مرتبہ کا عالم یہ ہے کہ کبھی طائر سدرہ جبریل امین ان کے سینۂ الم نشرح میں وحی اتارتے ہیں اور کبھی وہ ہی سید الملائکہ جبریل امین ان سے ایمان و اسلام کی باتیں سیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں عقل حیران ہے! انھیں کیا سمجھے، وہ مختار کل ہیں، یا عجز سراپا، وہ جبریل کو فیض دینے والے ہیں، یا ان سے فیض یافتہ عرشی ہیں، فرشی ہیں، مجرد ہیں، مقید ہیں، ناز ہیں،

نیاز ہیں۔ آخر کیا ہیں۔

ع حیران ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

عقل و خرد میں یہ طاقت کہاں کہ ان کی حقیقت سمجھ سکے۔ وہم و گمان میں یہ وسعت کب کہ ان کے مقام کو پا سکے۔ ارے!

ے ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیران ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

آقا! آپ کے احسان تو ان گنت ہیں آپ کے اوصاف تو شمار سے بالا تر ہیں۔ آخر کس وصف سے پکاروں۔ کون سا لقب لاؤں جس سے فریاد کروں۔ آقا! مدثر کہوں یا مزمل کہوں، طٰہٰ کہوں، یا یٰسین کہوں رحمۃ اللعالمین کہوں، یا خاتم المرسلین کہوں فخر آدم کہوں یا مالک رقاب امم کہوں۔ اللہ کا پیارا کہوں، یا امت کا سہارا کہوں، رب کعبہ کی لاکھوں لاکھ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں روح اعلیٰ حضرت پر کیا ہی خوب فیصلہ فرما دیا۔

رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

فروزاں ہے سینہ میں شمع نفس
مگر تاب گفتار کہتی ہے بس

جمال یار کی رعنائیاں بیاں نہ ہوئیں بہت ہی کام لیا میں نے خوش بیانی سے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

☆

ختم شد

نورُالایمان

تصنیف لطیف! حضور لبقیۃ السلف عمدۃ الخلف استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی الحاج الشاہ محمد عبدالسّلام صاحب قبلہ قادری سنبھلی دامت برکاتہم العالیہ۔

(مصنف قبلہ مدظلہ العالی کے رشحات قلم سے نکلا ہوا ایک عدیم المثال شاہکار)

نورالایمان! اسلامی معلومات کا بیکراں سمندر ہے جس میں عقائد، نماز، جنازہ، روزہ، زکوٰۃ، حج، غسل، وضو، اس کے علاوہ طہارت کے اکثر مسائل، علم دین کی ضرورت اور اس کے بیشمار فضائل، مریض کی عیادت اور اس کی فضیلت، غلط رسوم اور ان کی ہلاکت، نیز سلام، کلام، قیام، نیام، طعام کے شرعی احکام اور ان کے اسلامی آداب، ہر مسئلہ اپنی اپنی جگہ پر تحقیق و تجسس سے مزین دلائل و براہین سے مسلح طرز بیان اسقدر عام فہم اور واضح کہ ہر کم تعلیم یافتہ شخص بھی بڑی ہی آسانی اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کر کے فائدہ حاصل کر سکے

نورالایمان! درحقیقت دینی معلومات کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں روزمرہ پیش آنے والے اکثر و بیشتر دینی مسائل کو نہایت ہی خوبی کے ساتھ سلک تحریر میں پرو دیا گیا ہے

نورالایمان! قرآن و حدیث، اسلامی فقہ اور تاریخ کی بڑی بڑی معتبر کتابوں سے ماخوذ ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ بہت جلد دینی معلومات سے بخوبی آشنا ہو سکتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ اسلامیات پر اتنی سہل اور جامع کتاب اس وقت بازار میں مفقود ہے

انشاء اللہ العزیز بہت ہی جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آنے والی ہے۔

زاہد علی سلامی، نبیرہ حضرت مصنف قبلہ مدظلہ العالی سلامی اکیڈمی

محلہ ۔ شگل ۔ پورہ سرائے ترین ضلع مرادآباد (یوپی)

پن (۲۴۴۳۰۳)